سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو

مناظر قدرت

(اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقع)

مرتبہ

محمد الیاس برنی بی ایم اے ایل ایل بی (علیگ)
(سابق پروفیسر اکنامکس محمڈن کالج علی گڑھ)
معلم معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد اوّل

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی
مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج میں طبع ہوا
کل ... جلد
قیمت فی جلد

مناظرِ قدرت

جلدِ اوّل

معذرت

افسوس کہ ہر چند تلاش کیا مگر جلد کے واسطے حسب دلخواہ کپڑا دستیاب نہوا بادل ناخواستہ پہلے اڈیشن میں کاغذی کی جلد پر اکتفا کرتے ہیں لیکن انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کپڑے کی مطلا جلدیں شایع ہونگی۔ بحالت موجودہ قیمت میں بھی معقول تخفیف کر دی گئی ہے یعنی فی جلد عہ کے بجائے صرف ۱۲؍ قیمت رکھی ہے۔ کم از کم ۲۵ سٹ کے یکمشت خریدار کو فی سٹ ۲؍ کمیشن دیا جائیگا۔ اس سے زیادہ رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب افتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی اِدبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزم سخن کی رونق اور چہل پہل قابل دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دھن میں مست تھے، شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے۔ آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ واہ نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں رنگ گیا چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح

خاک میں ملی، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیئے اگر کہیں اس رنگ میں جراَت، انشا، مرزا شوق، اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہی کمیاب ہی۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہی اور خدا کا شکر ہے کہ جابجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں۔ جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح کو

تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو ترا تا ہے۔ ہنستوں کو رولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہی۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہی کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہی اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہی۔

اشاعت ادب، ترقی زبان اور اصلاح تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہی۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شایع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہی، ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہی۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شایع ہو رہا ہی لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہی کہ شاعری کے

موجودہ رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جاویں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی
ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز
سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کے
بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ
برگشتہ رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل
سے ملتی ہیں۔ اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں اسی طرح
جذبات کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہی دوسرے
اُردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً
کلام بارد اور یاس انگیز ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش
فناؤگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی، جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر نا ممکن ہے
کہ اسے سن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی یہ
بدولت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی
کہیں خدانخواستہ جد و جہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد

نہ پڑ جائیں اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزاء کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہوجائیگا۔ علی ہذا قدرت کو لیجیے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جاکر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہی اور بحالت موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے اس کے تین جداگانہ حصے قرار پائے ہیں:

(۱) معارفِ ملت حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ

(۲) جذباتِ فطرت۔ یہ مجموعہ غالب مرحوم کے ایک لطیف انکشاف فطرت کی شرح ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے خدا جانے انہی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی

انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقاء شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہونگی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر نظر انداز ہوسکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہی کہ وہ معذرت قبول فرمائینگے باینہمہ ان کی ضیافت طبع کے واسطے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہی۔ اگر انار کے کچھ دانے کچّے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہی۔ اصل مضمون پیش نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا، حسب صلاحیت ان کو از سر نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا، تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصّہ کی متعدد جلدیں بتدریج شایع کی جائینگی

جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہونگی امید ہی کہ اس طرح پر اردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتّب ہو جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا ہوتی ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی، اس سلسلہ کی جلدوں کو اپنے قابلانہ مقدموں سے مزیّن فرمایا اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہی۔

ملک کو اردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچیگا اس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا اَلسَّعیُ مِنّیِ وَالْاِتمامُ مِنَ اللہ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
جولائی ۱۹۱۹ء

الیاس برنی

مناظرِ قدرت

فہرستِ مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اُس کے تحت میں مضامین متجانس درج ہیں:- صفحہ

(۱) نورِ ظہور کا وقت - - - درد - - - - - - - ۱

(۲) نمودِ صبح - - - - - - - انیس - - - - - - - ۳

(۳) عبادتِ صبح - - - - - - محسن - - - - - - - ۴

(۴) نمازِ چمن - - - - - - - اکبر - - - - - - - ۵

(۵) صبحِ چمن - - - - - - - ذاکر - - - - - - - ۶

(۶) نسیمِ سحر - - - - - - - اسمٰعیل - - - - - - - ۷

(۷) لطفِ سحر - - - - - - - شوق قدوائی - - - - - - - ۸

(۸) صبح کی آمد - - - - - - اسمٰعیل - - - - - - - ۹

(۹) ترانۂ بیداری ---------- فلک ---------- ۱۲
(۱۰) ترانۂ بیداری ---------- محروم ---------- ۱۳
(۱۱) بندرابن کی صبح ---------- محروم ---------- ۱۵
(۱۲) طلوعِ آفتاب ---------- غالب ---------- ۱۶
(۱۳) خوشا وقتِ شام ---------- آزاد ---------- ۱۷
(۱۴) شفق ---------- اسمٰعیل ---------- ۲۱
(۱۵) شام کا جھٹ پٹا ---------- اسمٰعیل ---------- ۲۲
(۱۶) شام کی آمد اور رات کی کیفیت ---------- آزاد ---------- ۲۳
(۱۷) رات ---------- اسمٰعیل ---------- ۳۰
(۱۸) خوابِ راحت ---------- اسمٰعیل ---------- ۳۱
(۱۹) آسمان ---------- اسمٰعیل ---------- ۳۴
(۲۰) تاروں بھری رات ---------- اسمٰعیل ---------- ۳۶
(۲۱) چاندنی ---------- اوج ---------- ۳۸
(۲۲) جنگل کی چاندنی رات ---------- میر حسن ---------- ۳۹
(۲۳) برکھا رت ---------- حالی ---------- ۳۹

(۲۴) برکھارت ------ عدیل کنتوری ------- ۴۳
(۲۵) برسات ------- اسمٰعیل ---------- ۴۴
(۲۶) برسات ------- جلال مرادآبادی --------- ۴۵
(۲۷) بارش ------- ظفر علی خان ---------- ۴۶
(۲۸) فضائے برشگال ---- سرور جہان آبادی ----- ۴۷
(۲۹) فضائے برشگال ---- امیر --------- "
(۳۰) ابر کی آمد ------ انشا --------- ۴۸
(۳۱) پہاڑی بادل ----- واسطی -------- "
(۳۲) ابر کرم ------- آزاد ------- ۵۰
(۳۳) بادل کا پھٹنا ----- شوق قدوائی ------ ۵۲
(۳۴) برسات کی شام --- شوق قدوائی ------- ۵۴
(۳۵) شب ابر ------ آزاد --------- ۵۵
(۳۶) مینڈک کا راگ ---- واسطی -------- ۵۶
(۳۷) میر اپنے گھر کا حال - میر ---------- ۵۸
(۳۸) جاڑے کا موسم - سودا ---------- ۶۳

(۳۹) شبِ سرما .... آزاد ۶۷

(۴۰) موسمِ خزاں .... اسمٰعیل ۶۹

(۴۱) موسمِ خزاں .... آزاد ۷۰

(۴۲) آمدِ بہار .... غالب ۷۱

(۴۳) آمدِ بہار .... شوق قدوائی ۷۲

(۴۴) صُبحِ بہار .... اوج ۷۴

(۴۵) لطفِ بہار .... مُبارک ۷۶

(۴۶) بہار .... انشا ۷۸

(۴۷) جوشِ بہار .... آتش ۷۹

(۴۸) بادِ مُراد .... اسمٰعیل ۸۰

(۴۹) گرمی کا موسم .... حالی ۸۳

(۵۰) گرمی کا موسم .... اسمٰعیل ۸۵

(۵۱) شبِ گرما .... آزاد ۸۶

(۵۲) جاڑا اور گرمی .... اسمٰعیل ۸۸

(۵۳) خدا کی صنعت .... اسمٰعیل ۹۲

		صفحہ
(۵۴) خدا کی کاریگری	اسمٰعیل	۹۵
(۵۵) ہندوستان کے پھول	؟	۹۶
(۵۶) کنج عزلت	اقبال	۹۸
(۵۷) باغ	میر حسن	۱۰۰
(۵۸) باغ	آزاد	۱۰۳
(۵۹) باغ بنگلہ	مرزا شوق	۱۰۴
(۶۰) آرائشِ باغ	مرزا شوق	۱۰۵
(۶۱) بہارِ چمن	عزیز لکھنوی	۱۰۶
(۶۲) صحرا	مرزا شوق	۱۱۱
(۶۳) صحرا	محروم	۱۱۲
(۶۴) جنگل کی رات	شوق قدوائی	۱۱۴
(۶۵) کوہِ ہمالیہ	اسمٰعیل	۱۱۵
(۶۶) شملہ	آزاد	۱۱۶
(۶۷) روانیِ دریا	اکبر	۱۱۹
(۶۸) گنگا جی	مقبول	۱۲۲

صفحہ

(۶۹) دریائے بیاس - - کامل - - - - - - ۱۲۴
(۷۰) طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن ظفرعلی خان - - - - - ۱۲۷
(۷۱) آبشار - - - - شباب - - - - - - ۱۳۰
(۷۲) آبشار - - - شوق قدوائی - - - - - ۱۳۱
(۷۳) فوّارہ - - - عزیز لکھنوی - - - - - ۔۔
(۷۴) تتلیاں - - - شوق قدوائی - - - - ۱۳۴
(۷۵) تتلی - - - - سفیر - - - - - - ۱۳۵
(۷۶) تیتریاں - - - - اکبر الہ آبادی - - - - - ۱۳۶
(۷۷) بلبلِ زمزمہ ساز - - محروم - - - - - - - ۱۳۷
(۷۸) چڑیاں - - - - شوق قدوائی - - - - - - - ۔۔
(۷۹) مور - - - - - شوق قدوائی - - - - - - ۱۳۸
(۸۰) مور - - - - - - محروم - - - - - - ۱۳۹
(۸۱) کبوتر - - - - محمد عبدالرشید بازید پوری - - ۱۴۰
(۸۲) قمری - - - - - - امجد - - - - - - ۱۴۱
(۸۳) ابابیل - - - - سیّد نوراللہ شاہ - - - - ۱۴۳
(۸۴) چڑیا کے بچے - - - اسمٰعیل - - - - - ۱۴۴
(۸۵) کوّا - - - - اسمٰعیل - - - - - ۱۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظرِ قدرت

نورِ ظہور کا وقت

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا اگلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور　　وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

جلد اوّل

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لپک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ چمک

ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — درّاج کبک تیتر و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہاں تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی مدح — ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

(انیس)

۲- نمودِ صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں چُنتے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چُھپنا وہ ماہتاب کا وہ نور کا ظہور یادِ خدا میں زمزمہ پردازیٔ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسماں پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زباں پر

وہ سُرخیٔ شفق کی اِدھر چرخ پر بہار وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار

جلدِ اوّل شبنم کے وہ گلوں پہ گُہر ہائے آبدار پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

(انیس)

۳۔ عبادتِ صبح

کیفیتِ وحی میں ہے بُلبل ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گُل
سبزہ ہے کنارِ آبجو پر یا خضر ہے مُستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہے قد قامتِ سروِ دلربا ہے
اِک شاخ رکوع میں رُکی ہے اور دوسری سجدے میں جُھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات جاری لبِ جو سے التحیات
پھیلی ہوئی بوٹے گل چمن میں اور صلِّ علیٰ کا غل چمن میں
غنچے میں ہے خامشی کا عالم یا صومِ سکوت میں ہے مریم
کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے اور آبِ رواں طواف میں ہے

سالک ہے چمن میں نہرِ موزوں
مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں
ہے صوفیِ صافِ دل صنوبر
تحریکِ نسیم حالت آور
سجّادہ بدوش لالہ یکسو
یکسو شبِ زندہ دار شبّو
ہے استغراق نیلوفر کو
پاسِ انفاس ہے سحر کو
ہر شمع خموش فکر میں ہے
ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہے
وحدت ہے چمن میں مغز تا پوست
صادق ہے بہار پر ہمہ اوست

(محسن کاکوروی)

۴- نگارِ چمن

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر
بچھا فرشِ زمرّد اہتمامِ سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر
عروجِ نشّہ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر
جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر

جلد اوّل
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر
زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سر سبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

(اکبر الہ آبادی)

۵- صُبحِ چمن

وہ جلوہ گریِ مہرِ پُر نور
تاریکیِ شب ہو جس سے کافور
آغاز سپیدۂ سحر کا
فق ہونا وہ چہرۂ قمر کا
وہ رنگِ شفق افق سے پیدا
ہو تختۂ گل کا جس پہ دھوکا
وہ بادِ نسیم دھیمی دھیمی
وہ موجِ شمیم بھینی بھینی
ہر ایک نہالِ باغ گل پوش
پھرتی ہے ہوا چمن میں مدہوش
قدرت کی یہ ہے شگوفہ کاری
کرتے ہیں طیور حمدِ باری
ہر شاخِ چمن ہری بھری ہے
گویا کہ حسن نہیں پری ہے
بادِ سحری وہ عطر آگیں
سرگوشیِ غنچہ ہائے رنگیں

سبزہ وہ چمن میں دھانی دھانی   وہ خندۂ گل وہ رُت سہانی
نافہ ہی حسن کا ہر شگوفہ   ہی مُشک فشاں ہر ایک بوٹا
شبنم سے بھرا ہی لالۂ تر   لبریز ہی یا کہ جامِ احمر
وہ آہوئے دشت محوِ جولاں   وہ فرطِ طرب سے مور رقصاں

ہر سمت طیور ہیں ثناخواں
اشجار ہیں حمدِ حق میں جنباں

(ذاکر)

۶۔ نسیمِ سحر

ہونے کو صبح آئی تو ٹھنڈی ہوا چلی   کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی
لہرا دیا ہی کھیت کو ہلتی ہیں بالیاں   پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی ہیں ڈالیاں

پھُلواریوں میں تازہ شگوفے کھلا چلی
سویا ہوا تھا سبزہ اِسے تو جگا چلی

(اسمٰعیل)

۷۔ لطفِ سحر

وہ دن کے لیے سرور کا وقت
وہ لطفِ سحر وہ نور کا وقت

آہستہ نسیم کا وہ چلنا
سورج کا وہ آڑ سے نکلنا

شفاف وہ آبجو چمن کی
بھینی بھینی وہ بو چمن کی

منہ پھولوں کے دھو گئی ہے شبنم
سبزے کو بھگو گئی ہے شبنم

نوکوں پہ جو قطرے تھم گئے ہیں
دانے موتی کے جم گئے ہیں

کلیوں سے لکیر سی ہویدا
کچھ قصدِ تبسم اُن سے پیدا

دل کو جو لبھایا رنگ و بو نے
اے حسن کشش یہ دی ہے تو نے

(شوق قدوائی)

۸- صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں
اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں
پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کاروبار کے ساتھ آئی
میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی
میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مُرغ دینے لگا ہے
خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے
سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غُل مچاتی
اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پروں کو پُھلاتی
مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی
تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی

اور اونچی منڈیروں پہ شہناں بھی گائی — میں سو سو طرح دے رہی ہوں دہائی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے — نسیمِ صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سُرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے — مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں — ہر اک ملک میں دیس میں اور وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں — بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے — سو وہ نولکھا ہار پہنے کھڑی ہے
عجب یہ سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے — کہ تپھلے کی ٹھنڈک سی شبنم پڑی ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک اُٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں — کلولیں ہر اک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں — غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہیں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک — زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک

مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا مؤذن کو مسجد کے میں نے اُٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا اندھیرا گھٹایا اُجالا بڑھایا
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے کسانوں کے ہل چل پڑے منھ اندھیرے
چلے جال کندھوں پہ لیکر مچھیرے دلدّر ہوئے دُور آنے سے میرے
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

ہوشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منھ سے بولو بس اب خیر سے اُٹھ کے منھ ہاتھ دھولو
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

(اسمٰعیل)

۹- ترانۂ بیداری

جاگو جاگو پیارے جاگو
میری آنکھ کے تارے جاگو
جاگو جاگیں چڑیاں کب کی
بیت چکی ہیں گھڑیاں کب کی
شمع بجھا دی بادِ صبا نے
کلی کھلا دی بادِ سحر نے

مسجد میں آوازِ اذاں ہے
گوشۂ مشرق نور فشاں ہے
چھیڑی بھیرویں مُرغِ سحر کی
سُنتے ہو آواز گجر کی
شبنم موتی وار رہی ہے
مُنہ پر چھینٹے مار رہی ہے
گونجتے ہیں زنبور کنول پر
سورج کا ہے نور کنول پر
چمکا مہرِ عالم آرا
بدلا اُجالے سے اندھیارا
آنکھیں کھولو آنکھیں کھولو
جاگو پیارے نہا لو دھو لو

(قلق)

۱۰۔ ترانۂ بیداری

وقتِ سحر ہی سونے والو دھیان کدھر ہی سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو لُطفِ سحر کو کھونے والو
جاگ اُٹھا ہی پتّہ پتّہ غفلت کیسی سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے نکہتِ تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو اُٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صَلِّ علیٰ یہ نور کا عالم
ہر ذرّے پر طور کا عالم

تازہ نوا مُرغانِ چمن ہیں نغمے جن کے جانِ چمن ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آتے جاتے حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہی جاری کرتی ہی سجدۂ خالق باری
نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے دستِ دعا شاخوں نے اُٹھائے
محوِ یادِ خدا ہی سبزہ سربسجود پڑا ہے سبزہ

شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے
جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز دعا کی گھڑی ہے

شور اُٹھا ناقوس و اذاں کا وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا
عابد شیخ برہمن جاگے جانبِ مسجد مندر بھاگے
عارف زاہد اور پجاری نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے یادِ خدا میں جن کو مزا ہے
محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اُٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تو ہی مسافر اس دنیا میں جیسے رہرو اُترے سرا میں
وقتِ سحر گر رہرو سوئے غفلت میں گر وقت کو کھوئے
چلنے سے ہو گر وہ غافل کھوٹی کرے گا اپنی منزل
تجھ کو بھی درپیش سفر ہے
جاگ اُٹھ جاگ اُٹھ وقتِ سحر ہے (محروم)

۱۱۔ بندرابن کی صُبح

آثار عیاں ہوئے صُبح کے
ساماں ہونے لگے سفر کے
ہلچل میں ہی کاروانِ انجم
مغرب کو چلا نشانِ انجم
وہ شب کا سیاہ شامیانہ
اب لے کے قمر ہوا روانہ
تارے سب ایک ایک کرکے
آگے پیچھے چلے قمر کے

مشرق میں ہی نور ہلکا ہلکا
طلعت کا ظہور ہلکا ہلکا
صُبح بن کر عروسِ تازہ
آئی مل کر شفق کا غازہ
آئی اور کس ادا سے آئی
شانوں پر کاکلیں ملائی
چہرہ اس کا وہ یعنی خورشید
بے پردہ عدوے حسرتِ دید
ہر چیز کو پرتوِ سحر سے
قدرت نے رنگا ہی رنگ زر سے

جمنا ابھی خواب سے اٹھی ہی
پیدا بشرے سے تازگی ہی
کرنیں جمنا سے کھیلتی ہیں
ظلمت کو پرے دھکیلتی ہیں

ہے محوِ خرامِ ناز جمنا
عشاق کی دل نواز جمنا

ساحل پہ دوب۔ دوب پر اوس
مخمل تو ہے دوب اور گہر اوس

جمنا کا لباس مخملی ہے
اور موتیوں سے لدی کھڑی ہے

جنگل کے وہ پھول آہ خودرَو
بھینی بھینی وہ اُن کی خوشبو

دھیمے دھیمے صَبا کے جھونکے
اندازِ خرام وہ گلوں سے

طائر ہر سمت نغمہ زن ہیں
یہ مطربِ محفلِ چمن ہیں

ہر چند ہے دل پذیر جمنا
کب دل کو مگر یہاں ہے تھمنا

جمنا سے نہیں ہے کام ہم کو
ہے ذوقِ لقائے شام ہم کو

مل جائے ہمیں کہیں کنہیا
آرامِ دلِ حزیں کنہیا

(محروم)

۱۲۔ طلوعِ آفتاب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا
مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا

خسروِ انجم کے آیا صرف میں
شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود | صبح کو راز مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ | دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو | موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا

(غالب)

۱۳- خوشا وقتِ شام

خدا کی نظر آرہی شان ہے | سہانا سا اک سبز میدان ہے
ہوا سے جو سبزہ ہے لہرا رہا | تو ہے دیکھنے سے مزہ آرہا
ہری گھاس وہ لہلہاتی ہوئی | ہوا لوٹ کر لہر کھاتی ہوئی
کوئی دل جو مٹی میں ہے مل گیا | تو ایک آدھ گل ہے کہیں کھل گیا
وہیں ایک پہلو میں تالاب ہے | کہ دن دھوپ اور رات مہتاب ہے
یہ سبزی اسی کے سہارے پہ ہے | درختوں کا جھرمٹ کنارے پہ ہے
لبِ آب جو ہیں شجر جھومتے | وہ ہیں جھک کے پانی کا منہ چومتے

جلد اول

سما آج کل ہے گا برسات کا | مزا دن کا ہے لطف ہے رات کا
درخت اک جگہ ہیں جو چھائے ہوئے | ہوا دار بنگلے بنائے ہوئے
تو اک چھوٹے لڑکے نے واں آنکر | جگہ خوب موقع کی پہچان کر
رکھا سامنے اپنے جزدان ہے | ورق پر لگائے ہوئے دھیان ہے
بہت لکھنے پڑھنے کا ہے ذوق اُسے | یہی ذوق اُسے ہے یہی شوق اسے
خدا جانے ہے ہاتھ میں کیا کتاب | کہ اس میں ہے ڈوبا جو ماہی در آب
اور آتی ہے جوں جوں سیاہی شام | وہ شوقین لڑکا بدقت تمام
جھکا جاتا ہے اس طرح غور سے | کہ کاغذ میں گڑا ہو جس طور سے
نظر اُس کی جب ترمرانے لگی | سیہ شام سُرمہ اُڑانے لگی
بہت بیٹھا بیٹھا جو تھا تھک گیا | اِک انگڑائی لے کر وہ لڑکا اُٹھا
ملا کر سبھی چھوٹے چھوٹے سے ہاتھ | ملے چہرہ پر لطفِ محنت کے ساتھ

رکھا پھر کتابوں کو جزدان میں
ٹہلنے لگا آکے میدان میں

لگی ٹھنڈی ٹھنڈی جو منہ پر ہوا | حواس اُس کے آئے ٹھکانے ذرا
تھے دن کے تھکے ماندے جو جانور | وہ اپنے مقاموں پہ سب آن کر

ہم مل کے آوازیں دینے لگے | بسیرے درختوں پہ لینے لگے
وہ مل جل کے آپس میں سکھ لیتے تو | کہ اپنی خوش آوازیاں لو سے لیتے

درختوں پہ چڑیوں کی چوں چوں کہو | جو سمجھو تو پھر یادِ بچوں کہو
جو سبزے میں جھینگر تھے برسات کے | دئیے چھیڑ اُنھوں نے بھی سُر رات کے
کئی غول طوطوں کے جھنکارتے | گئے سبز سبزا ایسے بل مارتے

تھا لڑکا بھی حیراں یہ کیا ہو گیا | کہ میداں کا سبزہ ہوا ہو گیا
کیا خاتمہ دن کا جب شام نے | تو لی گھر کی رہ اس خوش انجام نے
ادھر اور اُدھر کو نظر ڈالتا | چلا جاتا تھا دیکھتا بھالتا
کہ کچھ گائیں بھینسیں ملی راہ میں | پھریں کھیت سے گھر کی تھیں چاہ میں
ٹپکتی خوشی صورتِ حال سے | عجب جا رہی تھیں لٹک چال سے
بھرے دودھ سے تھن لٹکتے ہوئے | کہ مشکیزے جیسے چھلکتے ہوئے
کئی ساتھ ساتھ ان کے گوسالے تھے | کہ ماؤں نے تھن کے تلے پالے تھے

اور اک گلہ باں پیچھے آتا ہوا | تھا الغوزہ اپنا بجاتا ہوا
ملی راہ میں اُس کو کچھ بکریاں | اور اک بوک بکرا رواں درمیاں
وہ دو دوں تمامی تھیں تو تو پھلی | کہ دن بھر تھیں چر چگ کے گھر کو چلی

بند اول

پھلر دوا سے بچے اُپ اچھلتے ہوئے — تھے اٹھکیلیوں سے پچلتے ہوئے

محبت سے ممیاتا جاتا کوئی

بہت تھک کے ماں کو بلاتا کوئی

وہ لڑکا جو پہنچا نزدیک شہر — نظر آئی یاں اور ہی لہر بہر

دکانوں پہ روشن سراسر چراغ — چراغوں نے گویا لگائے تھے باغ

جو رونق کہ نیچے دکانوں پہ ہے — کچھ اس سے سوا بالا خانوں پہ ہے

دکھاتی جو ہیں روشنی دور سے — اڑی جاتی ہیں کھڑکیاں نور سے

تصاویر و نقشوں سے گلزار گھر — طرحدار گھر سے ہوا دار گھر

کہیں مل کے بیٹھے ہیں کوٹھے پہ یار — لگی شعر خوانی ہی گا ہے ستار

غزل ریختے کی ہے گاتا کوئی — ہی گاتا کوئی اور بجاتا کوئی

لطیفوں پہ اڑتے ہیں جو قہقہے

کہاں یاد بلبل کو یہ چہچہے

غرض ہر جگہ سے گزرتا ہوا — تماشے خدائی کے کرتا ہوا

گیا جب کہ گھر میں وہ روشن چراغ — تو ماں باپ بھی ہو گئے باغ باغ

خوشی سے نہ جامے میں پھولے سمائے — بہن بھائی بولے وہ آئے وہ آئے

سلام اُس نے پہلے کیا باپ کو — جھکایا بحسنِ ادب آپ کو
دعا دی یہ اُس نے بھی لیکر سلام
مبارک مبارک خوشا وقتِ شام

(آزاد)

۱۴ - شفق

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار — ہوا میں کھلا ہے عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ — جنھیں دیکھکر عقل ہوتی ہے دنگ
نیا رنگ ہے اور نیا روپ ہے — ہر اک روپ میں یہ وہی دھوپ ہے
طبیعت ہے بادل کی رنگت پہ لوٹ — سنہری لگائی ہے قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی — بنفشی و نارنجی و چمپئی
یہ کیا بھید ہے کیا کرامات ہے — ہر اک رنگ میں اک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ — بنے سونے چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیلگوں اُس میں سرخی کی لاگ — ہرے بن میں گویا لگا دی ہے آگ
اب آثار ظاہر ہوئے رات کے — کہ پڑتے چھینٹے لال بانات کے

۱۵۔ شام کا جھٹپٹا

جھٹپٹا سا ہو گیا ہی شام کا — صاحبو یہ وقت ہی آرام کا
قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا — ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا
دیکھنا سورج ہی چھپنے کے قریب — تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب
لو کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر — لینگے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر
شام کو بستی سے باغوں کی طرف — اُڑ چلے کوّے بھی ملکر صف بصف
دن میں جو آواز تھی مدھم پڑی — بھنبھناہٹ مکھیوں کی کم پڑی
جانور دن بھر قلاچیں بھر چکے — اپنا اپنا کام پورا کر چکے
وہ جو کٹ کٹ کر رہی ہیں مرغیاں — ڈھونڈتی ہیں اپنے دڑبوں کا نشاں
بھیڑ بکری اونٹ گھوڑا گاؤ خر — آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر
اب ہوا کے تیز جھونکے رک گئے — سو گئے پیڑ اور پتے جھک گئے

اب کہاں باقی ہی موقع کام کا
صاحبو یہ وقت ہی آرام کا

(اسمٰعیل)

۱۶۔ شام کی آمد اور رات کی کیفیت

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو — عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو
ہیں روز و شب زمانہ کے ہم قدم ترے — پیمانے محنتوں کے ہیں یہ بیش و کم ترے
کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے — اور ڈالی اُس پہ شام نے غربت کی گرد ہے
ہوتا زمانہ بس کہ ہے وہ البتہ شام سے — اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

دامانِ کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شبِ سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو — عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تو
ہونا وہ بعدِ شام شفق میں عیاں ترا — اُڑنا وہ آبنوس کا تختِ رواں ترا
تھا دن مگر رہا وہی عالم نگاہ میں — لہرانا پرنیان و حریرِ سیاہ میں
چمکیگا لشکر اب جو ترا آسمان پر — فرماں نشاں ہیں یہ اُڑیگا جہان پر

تا صبح ہوئے کارگہِ روزگار بند
آرام حکمِ عام ہو اور کاروبار بند

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی — ہاتھوں سے مشک اُڑاتی ہے عنبر بکھیرتی

جلد اول دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم

روئے زمیں پہ جل رہے ہیں تیرے چراغ ہیں اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں

بجلی ہنسے تو رخ ترا دیتا بہار ہے شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے

سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر

پورا ہی تیرا حکم ہے آدھے جہان پر

چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہے اس وقت یا تو رات یا حق کی ذات ہے

خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی

سوتا گدا ہے خاک پہ اور شاہ تخت پر ماہی بزیر آب ہے طائر درخت پر

ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے

گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی چوکا ہے بلکہ راہزنِ نابکار بھی

القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے عورت ہے یا کہ مرد جواں ہے کہ پیر ہے

بچہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں سب آ گئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

جس کو پکارو وہ سوئے خوابِ عدم گیا

دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر بیٹھا تھا جس کا سکہ زمیں آسمان پر

کھولے ہوئے شفق کا نشاں زرق برق سے
رکھ کر کرن کا تاج نکلتا ہی شرق سے
اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہی
سکہ ہی اب ستاروں کا اور تیرا نام ہی

محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہی پھل ترا
چاندی تھا اس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور جا بجا تھے جو دکھ درد پا رہے
اور پاؤں تک سروں سے پسینے بہا رہے
بارِ گراں غریبوں نے سر پر اٹھائے ہیں
جب جا رہے شام کو لے گھر میں آئے ہیں

اے شب تمام دن کی مصیبت سے ہار کے
تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

اکثر امیر لیٹے ہیں نعمت کے ناز میں
پر دل کو ان کے دیکھو تو ہی سوز و ساز میں
سامانِ عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے
جو مانگئے زمانہ ہی حاضر لیئے ہوئے

مخمل کا فرش ہی مگر آرام ہی نہیں
جھپکے پلک سو اس کا کہیں نام ہی نہیں

اور ان کے زیر سایہ پڑا اک غریب ہی
دن بھر اٹھاتا بوجھ وہ آفت نصیب ہی
تھا صبحدم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو
وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہی شام کو
اب اپنی نانِ خشک کو پانی میں چور کر
کھایا ہی اور مست پڑا ہے تنور پر

سر پر قیامت آئے تو اُس کو خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہے مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہے — وہ سب دلوں کے واسطے غفلت کا جام ہے
بندے خدا کے ایسے یہاں بیشمار ہیں — دن سے زیادہ رات کو مصروفِ کار ہیں
کیجیے ذرا خیال کہ ملائے نکتہ داں — بیٹھا ہے سر جھکائے بپائے چراغداں
کرتا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی — مضموں جو ہیں گرہ ہیں اُلجھتے کبھی کبھی
بیٹھا حرام کر کے ہے آرام و خواب کو
کیڑوں کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو

ہیں مدرسہ کے طالب علم اپنے حال میں — کل صبح امتحاں ہے سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دور سے — پڑھتے جدا جدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کر لیں جو کچھ کہ کرنا ہے شب درمیان ہے — کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے
جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دور ہے
قسمت تو ہر طرح ہے پہ محنت ضرور ہے

اور وہ جو لکھ پتی ہے مہاجن جہان میں — آدھی بجی ہے پر وہ ابھی ہے دکان میں
گنتی میں دام دام کے ہے دم دیے ہوئے — بیٹھا ہے گود میں بھی کھاتا لیے ہوئے

ہی سارے لین دین کی میزان تمام کی
لیکن غضب ہی یہ کہ نہیں ملتی چھدام کی

وہ دیکھنا نجومیِ دانا کی شان کو — ہی کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو
اِک آنکھ دُوربین پہ ہی اک کتاب پر — ہی محو اپنے زائچہ میں اِک حساب پر
کٹتی ہی اس کی تارے ہی گنتے تمام رات — پر اب تو فکر ہی یہی دن بھر تمام رات
اِک جنتری بناؤں کہ طرزِ جدید ہو
چمکے جو اس میں اپنا ستارہ تو عید ہو

اے رات تیرے پردۂ دامن کے اوٹ میں — دزدِ سیاہ کار بھی ہی اپنی چوٹ میں
بیٹھا نقب لگا کے کسی کے مکان میں ہے — اور ہاتھ ڈالا اس کی ہر اک اینٹ آن میں ہے
اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹٹول کر — ہی چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر
لے جائیگا غرض کہ جو کچھ ہات آئیگا
دیکھو کمایا کس نے ہی اور کون اُڑائیگا

اس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہی — پھرتا ٹٹولتا ہوا مانند کور ہے
مطلب اُڑاتا شعر سے مضمون غزل سے ہی — لاتا پر اپنے ڈھب پہ لفافہ بدل کے ہی
تعریفیں اسکی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں + مضموں گیا ہی جن کا وہ سر بیٹھے دھنتے ہیں

جلد اول

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں — آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں

پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے — اور کرتا صدقِ دل سے دعا بار بار ہے

مجھکو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض — رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ کہ دل میں اثر کرے

اے رات یہ جو تونے سرِ شام آن کر — سجادۂ سیاہ بچھایا ہے تان کر

اور اس پہ حق پرست کہ یادِ خدا میں ہے — بیٹھا رہِ فنا پہ ہوائے بقا میں ہے

اس کو اسی کی ذات سے ہی لو لگی ہوئی — اور دل میں دم بدم ہے تگ و دو لگی ہوئی

کب تک رہے حباب گلا گھونٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو پھر ٹوٹ پھوٹ کر

دریا میں چل رہا کہیں اس دم جہاز ہے — اہلِ جہاز جن کا خدا کارساز ہے

بیٹھے اسی کی آس پہ ہیں دل دیئے ہوئے — کچھ حسرتیں ہیں دل میں کچھ ارماں لیے ہوئے

بادِ مراد دیتی ہولے مراد سے — پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہے

آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں دیدبان پر — اور جاتی ہے دعا کی صدا آسمان پر

یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی امید پر — اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پر

دل دے رہا جو شیرِ محبت کے جام ہے — ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے
ہر چند کام کاج سے ہی دن کے تھک رہی — بچے کو ہاتھ سے ہی برابر تھپک رہی
اور کہتی ہے کہ مجھکو پڑے یا نہ کل پڑے — ایسا نہو کہ یہ کہیں ڈر کر اچھل پڑے

ماں کو تو سوتے جاگتے اُس کا ہی دھیان ہے
کروٹ نہیں بدلتی کہ ننھی سی جان ہے

پر ہائے حیف حال اسی جاں بلب کا ہے — سب یوں کہہ رہے ہیں کہ مہمان شب کا ہے
دن بھر دوا غذا میں رہا غیر حال ہے — لیکن ہے اب یہ حال کہ بچنا محال ہے
بتی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی — اور بے کسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی
اے رات مجھکو فکر یہی بار بار ہے — اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اس کا ساتھ دیویگا ہو صبح جب تلک
روئے گا کوئی شام کے مُردے کو کب تلک

آزاد آفریں ترے لطفِ زبان کو — کروٹ اب ہے رات نے دی آسمان کو
سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل دیئے ہوئے — تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پیئے ہوئے

کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

(آزاد)

۱۷۔ رات

گیا دن ہوئی شام آئی ہے رات — خدا نے عجب شے بنائی ہے رات
نہو رات تو دن کی پہچان کیا — اٹھائے مزہ دن کا انسان کیا
لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند — زمانے کے سب کاروبار بند
ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے — خموشی سی چھائی سرِ شام سے
مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر — سرِ شام منزل پہ کھولی کمر
درختوں کے پتے بھی چپ ہو گئے — ہوا تھم گئی پیڑ بھی سو گئے
اندھیرا اُجالے پہ غالب ہوا — ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا
ہوئے روشن آبادیوں میں چراغ — ہوا سب کو محنت سے حاصل فراغ
کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر — کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر
تھپک کر سُلایا اُسے نیند نے — تردد بھلایا اُسے نیند نے
غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں — مشقّت سے جن کے بدن چور ہیں
وہ دن بھر کی محنت کے ہارے ہوئے — وہ ماندے تھکے اور ہارے ہوئے
نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر — ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر

گئے بھول سب بال بچّوں کا غم سویرے کو اُٹھینگے اب تازہ دم جلد اوّل
کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب
کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب

(اسمٰعیل)

۱۸۔ خوابِ راحت

خواب راحت بھی ہی عجب چیز کیا عالم بیخودی ہے چھایا
اے نیند ہو نہ ہو قیامت تونے ہمیں آنکھ سے دکھایا
تو آئی ہوئے حواس بیکار کیا جانے تونے کیا سُنگھایا
جس وقت اُتر گئی گھٹا سی آنکھوں کا چراغ ٹمٹمایا
پھر چھوڑ گئی ہمیں جہاں میں پھر زیست کا ذائقہ چکھایا
پایا تو کبھی تجھے نہ دیکھا دیکھا تو کبھی تجھے نہ پایا
ہی تیری عجیب حکمرانی دنیا کی پلٹ گئی ہے کایا
رن میں فوجوں کو جا پچھاڑا بن میں شیروں کو جا دبایا
دہقان کو کھیت میں کیا چت گو کھیت کو گیدڑوں نے کھایا

ریوڑ کی خبر نہیں کہاں ہے — چرواہے کو گھاس پر لٹایا
سے لینے کو درخت پر بسیرا — چڑیوں نے پروں میں سر چھپایا
ڈھوروں نے بھی چھوڑ دی جگالی — چپ ہیں نہیں کان تک ہلایا
ماؤں کو دیا ہے تو نے آرام — بچوں کو تھپک تھپک سلایا
روتے روتے جھپک گئی آنکھ — جھولے میں جھلا رہی ہے دایا
بیڑی سے رکا نہ ہتکڑی سے — محبوس کو قید سے چھڑایا
شاہوں کی بھی کرو فر مٹا دی — نہ تاج نہ تخت نے رعایا
زرّیں پردے نہ فرشِ مخمل — ایوان ہے گم سجا سجایا
جب سو گئے ہو گئے برابر — کب شاہ و گدا میں فرق پایا
جج کے بھی حواس ہیں معطل — فیصل ہوئے قصّہ و قضایا
ٹھنڈا ہوا تاجروں کا بازار — سودے کا معاملہ چکایا
ہے نقد کہاں کدھر گئے نوٹ — ساہوکاروں کو کھک بنایا
لالہ کو نہیں ہے ذرا سدھ — کیا ڈیوڑھا اور کیا سوایا
بنیوں کا الٹ دیا ہے سٹّہ — روکڑ ہے نہ جنس ہے نہ مایا
بیمار کی آنکھ لگ گئی ہے — دکھ درد کا کرب سب مٹایا

جلد اول

کچھ ہوش نہیں ہے ڈاکٹر کو — پلٹس لگے زخم پر کہ پھایا
اوسان نہیں حکیم جی کو — کیا نیند نے لخلخہ سنگھایا
پنڈت بھی ہوئے بچنت ایسے — اشنان کئے نہ جل چڑھایا
مُلّا کو بھی ہو گیا ہے نسیاں — بھولا ہے مسائلِ ہدایا
تعریف نہ کر سکا مہندس — کیا شکل ہے قائم الزّاویا
جغرافیہ داں کی راہ گم ہے — لٹکا ہے کدھر کدھر ملایا
کچھ یاد نہیں مورّخوں کو — کیا کیا ہر روئے کار آیا
بھولا ہے کتاب طالب علم — اُلٹا تو نے سبق پڑھایا
مطرب کی عجیب گت بنائی — کھٹراگ جہان کا بھلایا
چونکا نہیں قافلہ تری کا — ہر چند جہاز ڈگمگایا
چیتے نہیں ریل کے مسافر — انجن نے ہزار غُل مچایا
باقی نہ رہا کوئی تردد — جھگڑوں میں تھا جان کو کھپایا
سب مشغلے ہو گئے فراموش — اپنا ہی رہا نہ کچھ پرایا
دنیا کی خبر نہ دین کا ہوش — کیا ساغرِ بیخودی پلایا
تو نے کیا نیند کو مسلّط — قدرت ہے بڑی تری خدایا

(اسمٰعیل)

۱۹- آسمان اور ستارے

اگر تیری قدرت کی کاریگری — نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام — طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت — کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی — اسے دیکھتے یونہی دنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر — رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں — اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں
عجب ہے یہ خیمہ کہ رسن ہے نہ چوب — ہمیشہ مصفّا ہے بے رخنہ و روب
نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف — اِدھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید — عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول — نہ جھرس ہے نہ جھُرّی نہ سلوٹ نہ جھول

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ
نظر کی پہنچ کا ٹھکانا ہے یہ

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے — چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے

نظر آ رہے ہیں عجب شان سے ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے

چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں

یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے پڑے زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے

نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ بہت دور چکّر لگاتے ہیں یہ

بڑے اپنے چکّر میں ہیں گھومتے ترے حکم کے ذوق میں جھومتے

یہ قایم ہیں تیری ہی تقدیر سے بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے

وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی

عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور تلا سب کا رہتا ہے آپس میں زور

یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر

نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں
کہ قانونِ قدرت سے مجبور ہیں

(اسمٰعیل)

۲۰- تاروں بھری رات

اے چھوٹے چھوٹے تارو ‏ کہ جو چمک دمک رہے ہو
تمھیں دیکھ کر نہ ہووے ‏ مجھے کس طرح تحیّر
کہ تم اونچے آسماں پر ‏ جو ہو کس بلا سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے ‏ کہ کسی نے جڑ دیے ہیں
گہر اور لعل گویا

جو ہیں آفتابِ تاباں ‏ نے چھپایا اپنا چہرہ
وہیں جلوہ گر ہوئے تم ‏ یہ تمھاری جگمگاہٹ
ہی مسافروں کے حق میں ‏ بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی ‏ نہ میسّر آتی ان کو
تو غریب جنگلوں میں ‏ یونہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راس دہیپ کی ‏ نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشانِ راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے ‏ وہ اُمیدوار دہقاں

کہ کھڑی ہی جن کی کھیتی کہیں کھیت کٹ رہا ہی
کہیں گھہ رہا ہی جن میں کہیں آنکھ ان کی جھپکی
یونہی شام سے سحر تک ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہی واں نہ گھنٹہ نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو ہو تمھیں انھیں سُجھاتے
کہ گئی ہی رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے ہی وسیع بحرِ اعظم
اِنھیں ہولناک موجوں سے مقابلہ ہے کرنا
کوئی ہی چلا وطن سے کوئی آرہا ہی واپس
اِنھیں کچھ خبر نہیں ہی کہ کدھر ہی ان کی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی نہ سُراغ راہ کا ہی
نہ کوئی دلیل و رہبر مگر اے فلک کے تارو
تمھیں اُن کے رہنما ہو

(اسمٰعیل)

۲۱- چاندنی

غنچۂ دل کو کھلا جاتی ہے آکر چاندنی
رشکِ موسمِ گل روح پرور چاندنی

آسماں سے ہے چھما چھم بارشِ نورِ ضیا
نور کا دریا رواں ہے یا زمیں پر چاندنی

آسماں پر ہے ستاروں سے فروغِ نور نما
چار سو سطحِ زمیں پر جلوہ گستر چاندنی

گلشنِ دنیا میں یہ رنگیں بہاریں تجھسے ہیں
نور کی مورت ہے یا ہے ماہ پیکر چاندنی

عجز کہتے ہیں اسے ہے نام اس کا انکسار
بچھ گئی سطحِ زمیں پر فرش بنکر چاندنی

مرمٹوں پر رکھتی ہے لطف و عنایت کی نظر
ڈالتی ہے قبر پر رحمت کی چادر چاندنی

غنچۂ خاطر کھلے جاتے ہیں کلیوں کی طرح
کسقدر ہے دلکشا کیا پُرفضا ہے چاندنی

ہر روش پر کیوں نہ اتراتی پھرے بادِ صبا
شام ہی سے باغ میں رونق فزا ہے چاندنی

باغ میں جوشِ طرب سے بلبلیں ہیں نغمہ زن
مرحبا اے آجؔ کیا عشرت فزا ہے چاندنی

ہے نمونہ قدرتِ صانع کا ہر سو آشکار
مظہرِ انوارِ حق شانِ خدا ہے چاندنی

(آجؔ گیاوی)

۲۲- جنگل کی چاندنی

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر — وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اُجلا سا میدان چمکتی سی ریت — اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتّے چمکتے ہوئے — خس و خار سارے جھلکتے ہوئے
درختوں کے سایہ سے مہ کا ظہور — گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی — سو وہ عالمِ وجد میں تھی کھڑی
درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی بولنے وجد میں آہ وا

(میر حسن)

۲۳- برکھا رُت

گرمی کی تپش بجھانے والی — سردی کا پیام لانے والی
قدرت کے عجائبات کی کاں — عارف کے لیے کتابِ عرفاں
وہ شاخ و درخت کی جوانی — وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات — وہ کون خدا کی شان برسات
آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد — اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا — اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے — اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے — گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی — اک آتی ہے فوج ایک جاتی
جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے — ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے
توپوں کی ہے جب کہ باڑ چلتی — چھاتی ہے زمین کی دہلتی
مینہ کا ہے زمین پر دڑیڑا — گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا
بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی — آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سورج نے نقاب لی ہے منہ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور — ہے چار طرف برس رہا نور

بنیا ہے نئی ہی سڑک نمودار | اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی | عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار | دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل | ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو | اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی | گویا کہ ہے دل میں چھٹی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے | سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر | کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقوی | یا ربّ لنا ولا علینا
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا | کرپا ہوئی تیری میگھ راجا
کرتے ہیں گرد گرد گرہستی | گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملہار گاتا | ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے | اور بانسریاں بجاتے پھرتے
سرون کوئی گا رہا ہے بیٹھا | چھیڑا ہے کسی نے ہیرا رانجھا
رکھشک جو بٹے ہیں چین مت کے | ڈھلکے ہیں ڈول پہ ٹپکتے پھرتے

کرتے ہیں وہ یوں جیون کی رکھشا
تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا

کچھ باغوں میں جا بجا گڑے ہیں　　جھولے ہیں کہ سو بسو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کمسن　　جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری　　اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی　　جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی
اک سب کو گھڑی جھلا رہی ہے　　اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے ان میں کوئی ملار گاتی　　اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا　　کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا

اک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں　　تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی　　اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آگے گرتی　　مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
پھیلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے　　دن بھر میں ہیں بٹے جا کے لگتے

زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی　　موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں　　موجوں کی تھپیڑیں کھا رہی ہیں
ملّاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان　　بیڑے کا خدا ہی ہے نگہباں
منجدھار کی رو یہ زور پر ہے
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

(حالی)

۴۴۔ برکھا رت

اُٹھ ساقی برکھا رت آئی　　بجلی چمکی بدلی چھائی
پانی برسا بادل گرجا　　پڑے ہیں جھولے باغ میں ہر جا
اُتریں ملاریں گڑے ہنڈولے　　گائیں سکھیاں پپیہے بولے
رات کو جھینگر پھونکے نفیری　　دن کو ساون گائے بھنبیری
کہیں پوربیئے آلھا گائیں　　جھولے ڈالیں پینگ لگائیں
اپنے رنگ میں سب متوالے　　گجری گائیں بنارس والے
چمک رہا ہے سارا جنگل　　سارے درخت ہیں ہرا منڈل

اگلا جھولے پچھلا جھولے
کریا پاس کریلا پھولے

(عدیل کستوری)

۲۵- برسات

وہ دیکھو اُٹھی کالی کالی گھٹا
ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا

گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی
ہوا میں بھی اک سنسناہٹ ہوئی

گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی
تو بے جان مٹی میں جان آگئی

زمیں سبزے سے لہلہانے لگی
کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی

جڑی بوٹیاں پیڑ آئے نکل
عجب بیل بوٹے عجب پھول پھل

ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے
ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا
کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا

جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا
وہاں آج ہے گھاس کا بن کھڑا

ہزاروں پھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

(حالی)

۲۶۔ برسات

ابھی اندھیرا ابھی اُجالا بادل آئے اوپر تلے — بوندا باندی کبھی پھوار اور کبھی دھڑادھڑ
جنگل جنگل کوسوں جل تھل ہو گیا ساگر تھال — ٹیلے ٹھیٹے گھورا اور مینڈھے ٹاپو کی مثال
جھیلیں، تال، تلاؤ، نالے جیسے چھلکتا جام — سڑکیں، لیکیں، باٹ اور بٹیں ندیاں بنی تمام
تیز ہوا کی ٹکر کھا کر جھیلوں میں اک جوش — لہریں چکر بھنور بنا رہیں اُٹھتی دوش بدوش
نالے پُل سے، چھوٹی پُلیں ڈاٹوں تک بھرپور — پلٹیں کھاتا جھاگ اُڑاتا پانی کرتا شور
جھاڑ، ٹہنی، بوٹی، سوکھا اور پودے اونچے نیچے پیڑ — بچھ بچھ جاتے جھٹکے کھا کر موج ہوا کی ایڑ
ایک تو مینھ کی موسلا دھاریں پھر ہوا کا زور — کھیت تختے مکا کے جیسے دم گر گرائے مور
سارس، بگلے، بط، مرغابی، مور اور جھی نزار — اُڑتے اک اک اوج ہوا پر کوئی باندھ قطار

ڈبکی ماریں تیریں اُچھلیں کبھی مچائیں شور
پھر بھی سوکھے واہ رے ان کے پر پرزہ دل کا زور

(جلال مرادآبادی)

۲۷ - بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادرِ ابرِ سیاہ
برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ

بادل اتنے میں دُرِ ناسفتہ برسانے لگے
داستانِ قلزمِ عماں کو دہرانے لگے

جھوم کر اُٹھی گھٹا - برسی برس کر چھٹ گئی
گرد کی چادر زمیں کے منہ سے فوراً ہٹ گئی

بادلوں سے نورِ خورشید اس طرف چھننے لگا
سائبانِ قوسِ قزح کا اُس طرف تننے لگا

سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن
تھا مہابن کا ہر اک کونا ختن اندر ختن

جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور
کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور

ڈھل کے پہنچا تھا اُفق کے آسماں تک آفتاب
تھی شفق کی اسکے منہ پر ایک نارنجی نقاب

یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دلفریب
ہاتھ سے جاتا رہا دل میرا اور دل سے شکیب

عالمِ از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا
جوشِ مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہو گیا

(ظفر علیخان)

جلد اوّل

۲۸ - فضائے برشگال

اٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابر بہار — چٹک رہے ہیں شگوفہ برس رہی ہے پھوار
سہی قدوں کا ہے جمگھٹ کنار آب رواں — کہ بیچ میں لب جمنا ہے گوپیوں کی قطار
ترانہ ریز ہے یوں شاخ سرو پر قمری — کہ جیسے گاتی ہو مدھ بن میں کوئی سندر نار
ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی — ہوا میں اڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں انار

عجب نشاط ہے بان کشو چلو تو سہی
پیام عیش ہے لایا چمن میں ابر بہار

(سرور جہان آبادی)

۲۹ - فضائے برشگال

ذوق میخواری بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی — اور لے اڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی
ابر، دریا، سبزہ، ساقی، یار، مطرب، دخت رز — ہوں یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی
رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں نوعروسان چمن — پتی پتی سے برستی ہے ادا برسات کی
مور ناچے کوئلیں کوکیں پپیہے بول اٹھے — وصل کے دن آ گئے فصل آ گئی برسات کی

ساقیا جام سبو سے ایسی آرایش بڑھے
آ کے میخانہ پہ صدقہ ہو گھٹا برسات کی

(امیر)

۳۰- ابر کی آمد

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو
دو ہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو
جوش و خروش رعد نے یہ دھوم دھام کی
ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو
بجلی تڑپ تڑپ کے دکھانے لگی چمک
رونق ہوئی دو چند ہر اک برگ و بار کو
کچھ کہہ رہا ہے ابر سپید و سیاہ و سرخ
مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو

ہم شرب اپنے چند جواں تھے سو ہر بہر
تشریف لے گئے وہ بتوں کے سکار کو

(انشا)

۳۱- پہاڑی بادل

وہ دیکھو کوہ کے پہلو سے طفل ابر اٹھا
وہ سامنے ہی جہاں پیڑ ہے یہ کلٹس کا

وہ بھاپ سا وہ دھواں سا وہ ہلکا سا ابر وہ ننھا منا بگولا سا وہ ذرا سا ابر بطرز اوّل
وہ پیارا پیارا سا وہ دلربا سا دیکھو تو
نہ دیکھا ہوگا کبھی یہ تماشا دیکھو تو
اہا ہا کھڈیں سے اور اک غبار سا نکلا ہوا کے گھوڑے پہ بادل سوار سا نکلا
وہ پھیلا اور وہ سرکا بڑھا چڑھا گیا تو وہ مل کے دونوں نے ٹیلہ چھپا لیا کیا تو
اندھیرا ہو گیا اب ڈھونڈ تکا رہا بادل کے
نہاں نظر سے ہوئے سبز کھیت مخمل کے
وہ دیودار کے جنگل وہ فرشِ خوش نظر بنی ہوئی تھی جو سب کوہسار کا زیور
نظر فریب جو تھیں پھول پتیاں ایلو وہ سب دھندلکے میں دل کی چھپ گئیں دیکھو
وہ آسمان کا حسنِ نظر فریب چھپا فرازِ کوہ کھڈوں کا جو تھا نشیب چھپا
وہ دلفریب سماں سب نظر سے اوجھل ہے
زمیں سے تا بہ فلک اب تو صرف بادل ہے
لو بھیگی بھیگی ہوا آئی مینہ برسنے لگا لو بوندوں کا سرِ کہسار پر بندھا سہرا
لو کھڑکیوں پہ مہاوٹ کی چلمنیں چھوٹیں لو وہ پہاڑ سے پتھر گرے سلیں ٹوٹیں
لو پانی سانپ کی مانند کوہ سے اترا لو کھڈ کی سمت چلا بے تحاشا لہراتا

سمٹتا، پھسلتا، جھگتا ہوا، چلا آرہا
بادل اُچھلتا کودتا رُکتا ہوا چلا آرہا
بدلتا رنگ کھڈوں میں مچاتا شور گھسا
چمکتا گرتا سنبھلتا دکھاتا زور چلا
پہاڑ پر ہی بہار آج کل چمن کی طرح
نکھر رہے ہیں شجر اور حجر دُلھن کی طرح
عروج روح کو حاصل ہے لطفِ منظر سے
یہ طفلِ ابر الٰہی یونہی بڑھے برسے

(واسطی)

۳۲- ابرِ کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر
بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
آتی اِدھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی
اور ان کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی
مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا
جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا
سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز
سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز
اِن سبز سبز کیاریوں پہ دل ہیں لوٹتے
طوطے برنگ طائرِ سنبل ہیں لوٹتے

شبنم عجب بہار ہی اپنی دکھا رہی — موتی بکھیرتی ہی جواہر لٹا رہی
پتّوں پہ آب و رنگ سے مینا نگار ہیں — ٹپکیں اگر ہوا سے تو ہیرے کا ہار ہیں
لو بادل اب گرجتے ہوئے سر پر آ گئے — اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے
کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہی — برسے گا آج خوب دھواں دھار ابر ہی
لیکن یہ باجرا سا برسنا پھوار کا — ہیگا پیام ابرِ بہاری کے تار کا
بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں — اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں
وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے — وہ کھاڑیاں بھری ہوئیں تھالے چھلک رہے
آبِ رواں کا نالیوں میں لہر مارنا — اور روئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا
گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے — اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے
جل تھل ہیں کوہ و دشت میں تالاب آب کے — گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے
ہر جا پہ طائرانِ چمن غول غول ہیں — آپس میں بولی بول کے کرتے کلول ہیں
کوئل کا دور دور درختوں پہ بولنا — اور دل میں اہلِ درد کے نشتر گھنگولنا
طاؤس کا وہ دُم کو چنور کر کے ناچنا — اور مورنی کا اشک کے موتی کو جانچنا
لیکن چمن سے ناچ کے چلتا جو مور ہی — اک قہقہہ بہ طنز لگاتا چکور ہی
اِملی کے اِک درخت میں جھولا پڑا ہوا — اور ساتھ اُس کے آم کا ٹپکا لگا ہوا

علاوہ جھولوں میں نوجوان ہیں پینگیں چڑھا رہے
اور بیچ آم کے ہیں پپیہے بجا رہے

ساون کے گیت گاتے ہیں طوفاں اٹھا رہے
پردیسیوں کی یاد سے ارماں ڈبو رہے ہیں

پھر مجھ کو رشک ہے اسی مستِ مدام پر
جس کی ہنسی ہنسی میں ہے موقوف جام پر

مستانہ پن میں رکھتا ہے دیوانہ طور بھی
مستی کے ساتھ رکھتا ہے وہ چار اور بھی

سبزہ پہ لوٹتا ہے دماغ آسماں پہ ہے
اور دمبدم یہ مطلع موزوں زباں پہ ہے

یوں پھوٹ کر ہیں گل ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کن دلوں سے ہیں ارماں نکل پڑے

(آزاد)

۳۳- بادل کا پھٹنا

وہ ہوا نے زور باندھا اور بادل پھٹ گیا
کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ پردہ ہٹ گیا

بچھ گیا ہے دھوپ سے سونے کا پتّر ہر طرف
خوب برساتی ہیں کرنیں حسن زمیں پر ہر طرف

صحن سونے کا ہے چھت سونے کی گھر سونے کا ہے
پھول پھل پتے ہیں سونے کے شجر سونے کے ہیں

کیمیا گر ہے جو عالم میں خورشیدِ فلک
جس کی صنعت سے پہاڑوں میں ہے سونے کی چمک

جھٹ سے چڑیاں اڑیں گوشے سے اٹھ جنگل میں آئیں
اپنے اپنے آشیانے سے ابابیلیں اڑیں

پھدکتے ہیں سب پتنگے اور چرندے جا بجا
ڈھونڈتا ہے کوئی کیڑے کوئی پھل اور کوئی گھاس

ہے نرالی سب سے خرگوشوں کے چلنے کی ادا
کیا بھلی معلوم ہوتی ہے اچھلنے کی ادا

سبزہ میدانوں میں پھرتے ہیں ہرن چرتے ہوئے
دیکھ لیتے ہیں مگر چاروں طرف ڈرتے ہوئے

(شوق قدوائی)

۳۴۔ برسات کی شام

دن ہی کم دیکھو ہٹا مغرب سے وہ ابرِ سیاہ
کھل گئی دُنیا میں آنے کے لیے کرنوں کی راہ

بن گیا خورشید ہلکے رنگ کے سونے کا طشت
دھوپ سے کچھ کچھ سنہرے ہو گئے اشجار و دشت

وہ شفق کی سُرخ رنگت اور فلک کا مرغزار
ساون پھولی ہوئی گویا دکھاتی ہے بہار

کوہ کے دامن میں یا لالے کا تختہ ہے عیاں
یا جسے کہتے ہیں چرخ اِک کوہ ہے آتش فشاں

جلوہ گر ہے چرخ پر سُورج کے پرتو سے دھنک
یا اُٹھا پردہ کھلی محرابِ ایوانِ فلک

یا کسی کے واسطے کھولے ہے آغوش آسماں
یا لیے ہے دوش پر ترکِ فلک اپنی کماں

دستکاری اپنی کی معمارِ قدرت نے عیاں
سات رنگوں سے رنگا ہے طاقِ قصرِ آسماں
(شوق قدوائی)

۳۵۔ شبِ ابر

اے ابر تیری رات کی تعریف اگر کروں
لازم ہے پہلے میں رہِ ظلمات سر کروں
کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہی تو برسات کا مزا
سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا
بجلی کبھی کبھی نگہِ فتنہ ساز سے
کرتی نقاب ابر میں چشمک ہے ناز سے
اور کوکنا پپیہے کا وہ دل کی ہوک سے
نالہ کو اپنے تولنا کوئل کی کوک سے

کوٹھے ٹھنڈے ٹھنڈے بچھونے وہ ادوان میں
ہے کس کو فکر آوے اگر اپنے بس میں
آنا وہ بھینی بھینی ہوا کا کبھی کبھی
بول اٹھنا مرغ نغمہ سرا کا کبھی کبھی

آرام کر رہا ہے کہیں جو کوئی ہو تو
قسمیں ہیں نیند کی کہ بس اب آ رہو تو
آزاد لکھتے ہی آدھی تو ڈھل گئی
اور شمع لالٹین میں ساری پگھل گئی

دل اس کو اپنے اب انجام دیجئے
کوئی گھڑی تو آپ بھی آرام لیجئے

(آزاد)

۴۳۔ مینڈک کا راگ

سن او شوریدہ حال سودائی بند کر اب یہ اپنی شہنائی
مینہ نے مانا ہی آج کل برسات لطف میں کٹتی ہیں ترے دن رات

جلد اوّل

تری فصلِ بہار ہے بے شک   تجھ کو یہ سازگار ہے بے شک
پر مجھے کیوں ستا رہا ہے تو   مفت کیوں غل مچا رہا ہے تو
صدقہ اس اپنی خوش گلوئی کا   واسطہ اپنی خوب روئی کا
تجھ کو سوگند تیری صورت کی   اس گھناونی ڈراونی مورت کی

تجھ کو جوہر کا واسطہ اے دوست
وجہ غوغا بتا مجھے اے دوست

کیا ترا نالۂ فراق ہے یہ   یا صدائے پر اشتیاق ہے یہ
یا کسی سے ہے دل لگا تیرا   تجھ سے محبوب چھٹ گیا تیرا
تو بھی مذبوحِ تیغِ فرقت ہے   کیا یہ تیری بھی شامِ غربت ہے
کس لیے تو نے غل مچایا ہے   آسماں سر پہ کیوں اٹھایا ہے
رات بھر سن چکے تری ٹر ٹر   نیند بھر سونا ہو گیا دوبھر
کوئی حد بھی ہے تیری اس ٹر کی   انتہا کوئی تیری اس بڑ کی
جب سے لگا ہے ٹرّا نے   صبح ہونے کو آئی دیوانے
دیکھ تو آدھی بج چکی کب کی   رہ گئیں چند ساعتیں شب کی

اے ظالم خموش ہو بس کر ہٹ تا کجا عائیں عائیں و ٹرٹر

۳۷۔ میرے اپنے گھر کا حال

کیا لکھوں میرا اپنے گھر کا حال   اس خرابی میں میں ہوا پامال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے   سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ   کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیواری سو جگہ سے خم   تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لون لگ لگ کے جھڑتی ہے مٹی   آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
اس کشاکش کا علاج کیا کیجے   راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے
جا نہیں بیٹھنے کو راہ کے بیچ   ہے کشاکش سے تمام ایواں کیچ
آنکھیں بھر لاکے یہ کہے ہیں سب   کیونکہ پردہ رہیگا یارب اب
جھاڑ باندھا ہے مینھ نے دن رات   گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات
باؤ میں کانپتے ہوں جوں تھر تھر   ان پہ ردّ ار رکھے کوئی کیونکر
کیچ لے لے کے بارے چھوپا ہے   چھونا کاہے کا ہے تھوپا ہے
ایک حجرہ جو سب سے ہے اچھا   سنیے اب اس کا حال مجھ سے ذرا
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک   کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک

کہیں گھوسوں نے کھوڈا لا ہے — کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھری کسو چچوندر کا — شور ہر کونے میں ہے مچھّر کا
کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے — کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کولے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں — پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان — وہی اس تنگِ خلق کا ہے مکان
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ — اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سنپولیا ہے پھرے — کبھو چھت سے ہزار پائے گرے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے — کوئی ڈاسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مدِ نظر — گھر کہاں صاف موت کا ہے گھر
مٹی تو وہ جو ڈالیں چھت پر ہم — تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم
دی ہیں اڑواڑیں پھر جو جدی زیادہ — چل ستونوں سے مکان ہی بیٹھا
اینٹ مٹی کا گھر کے آگے ڈھیر — گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال — پڑی کڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
طوطا مینا تو ایک بات ہے — پودنا پھدکے تو قیامت ہے
کیونکہ سا دن کٹیگا اب کی بار — تھرتھرا دے جھنبیری سی دیوار

ہوگیا ہے جو اتفاق ایسا　　　شاق گذشتہ سے ہو گیا کوئی جیسا
ہوگئے مضطرب لگے ہیں کہنے سب　　　آٹھ پہری کہ ساون آیا اب
تیری یاں جو کوئی آتی ہے　　　جان تجھ دیں نکل ہی جاتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ　　　کہیں یاں کھسکے تو ہو قیامت تنگ
ایک دن ایک کوا آ بیٹھا　　　بے گماں بیٹھے ہوا آ بیٹھا
نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھر　　　ایک کالا پہاڑ آن گرا
مٹی اس کی کہیں کہیں کھسکی　　　بھی ڈہا اور چھاتی بھی دھسکی
سان کر خاک لگ گئے دو جا　　　بارے جلدی درست کی دیوا
اچھے ہونگے کگنڈر بھی اس کے　　　پڑے ہے اک خرابی گھر در سے
اکھڑے بکھرے کواڑ ٹوٹی چھید　　　زلفی زنجیر ایک کہنہ جدید
خاک لوہے کو جیسے کھا ڈالے　　　چھڑ دیجئے تو پھر نری ہی خاک
بند رکھتا ہوں در جو گھر میں ہو　　　ورنہ کیا گھر کی جیب کہیں ہی ہو
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور　　　ہے خرابی سے شہر میں مشہور
جس سے پوچھو اسے بتائے نشاں　　　ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
ایک چھپر ہے شہر دلی کا　　　جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا

بانس کی باڑ جھکے ہیں سرکنڈے سوٹے ڈنڈوں میں ہیں سب ٹوٹے کھنڈے
گل گئے بند میں ہوئے ہیں ڈھیلے پائے ہلنے لگے ہیں گیلے سب
مینھ میں کیوں نہ بہہ گئے یکسر پھونس بھی تو نہیں ہے چھپّر پر
واں جو ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لا لا
ٹپکے وہ جا بجا تو بند کروں پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
بس کہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی کپڑے لتّے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں
بان جھینگر تمام چاٹ گئے بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے
تنکے جاندار ہیں جو جنبش دم ان پہ چڑیوں کی جنگ ہے باہم
ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور ایک گڑی پہ کر رہی ہے شور
بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو
ڈیوڑھی کی یہ خوبی در ایسا چھپّر اس جو چلے کا گھر ایسا
صحن اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ پاٹے ہی رہے ہیں جن کے پاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں ۔۔۔ سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پہر کوڑا ہے ۔۔۔ کھانے کو شام ہی سے دوڑا ہے
ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر ۔۔۔ ایک انگوٹھے پر ایک انگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا ۔۔۔ پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں ۔۔۔ ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں
ہاتھ تکیہ پہ گہہ بچھونے پر ۔۔۔ کبھی چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پائنتی کی اور ۔۔۔ وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور
توشک ان رگڑوں ہی سے سب پھاٹی ۔۔۔ ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان ۔۔۔ ساری کھاٹوں کی چولیں نکلیں ندان
نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو ۔۔۔ پائے پٹی لگائے کونے کو
سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل ۔۔۔ آنکھ، منہ، ناک، کان میں کھٹمل
اِک ہتھیلی میں ایک گھائی میں ۔۔۔ سینکڑوں ایک چارپائی میں
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے ۔۔۔ کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
یہ جو بارش ہوئی تو آخرکار ۔۔۔ اس میں سی سالہ وہ گری دیوار
دو طرف سے تھا کتوں کا رستہ ۔۔۔ کاش جنگل میں جا کے میں بستا

ہو گھڑی دو گھڑی تو دھتکار دوں — ایک دو کتّے ہوں تو میں مار دوں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں — چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبتِ نغز — کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
دن کو ہی دھوپ رات کو ہی اوس — خوابِ راحت یہاں ہی سو سو کوس
قصّہ کوتاہ دل اپنا کھوتا ہوں — رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہی کاہے کا نام ہی گھر کا

(مائل)

۳۸۔ جاڑے کا موسم

سردی اب کی برس ہے اتنی شدید — صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا — بلکہ کہیے کہ زمہریر ہوا
ان دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر — گود میں کانگڑی رکھے ہے سپہر
کُہر پڑنے کو کہتے ہیں سب یار — ٹھنڈ سے ہے جہاں کے دل میں غبار
لیک دیکھا جو غور کر کے میں آپ — نکلے ہے مُنہ سے آسماں کی بھاپ

ڈھکے ہیں پوشش زمیں سے پاؤں سے چھاتی ۔۔۔ پابہ دامن ہیں جسقدر ہیں پہاڑ
پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے ۔۔۔ سبز وہ شال کی رضائی ہے
بس کہ یخ بستہ بحر میں ہے آب ۔۔۔ برف کی ہے رکابی ہر گرداب
عکس پانی میں یوں ہے شکل پذیر ۔۔۔ رہتی ہے زیر شیشہ جوں تصویر
نہیں ہے نہر باغ میں اس دم ۔۔۔ بچۂ بط بھی یخ بچہ سے کم
یخ سے کاسا ہے آب وہ چند ۔۔۔ آب میں اس قدر ہوئی ہے گزند
اکڑے جاتے ہیں دیکھ سنبل کو ۔۔۔ گٹھڑی ہو جائے گل کے غنچہ میں لو
دیکھ گل پر صبا نسیب سرد ۔۔۔ پھرتی پھرتی ہے ہر طرف دم سرد
گر پڑے برگ تاک سٹر کے تمام ۔۔۔ بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام
صرصر صبح جسبان کھوتی ہے ۔۔۔ تیر سی دل کے پار ہوتی ہے
باد سے برگ کھڑکے ہیں اس بابت ۔۔۔ کہے تو باجتے ہیں دانت سے دانت
جس طرف اب نگاہ جاتی ہے ۔۔۔ جو ہی جوں بید تھرتھراتی ہے
کانپتے ہیں درخت و ارض و جبال ۔۔۔ موسم ڈھے ہی یارو یا بھونچال
آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹرتی ہے ۔۔۔ گودڑوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے
بے حرارت ہیں سردی کے مارے ۔۔۔ طرح یاقوت کی آب انگارے

جلد اوّل

ہی یہ آفت چراغ تک در پے | لو گویا کھربا ہے شمع سے ہی
جاڑا سے لگنے کلیجے تک ہی حرف | لیٹی رہتی ہی نمد دل ہی میں برف
دیر ہیں برباد ٹھنڈ سے بُت شکست | جو کوئی ہی سو آفتاب پرست
دن کی کٹتی ہی دھوپ میں اوقات | کالے کمبل میں رات کاٹی ہی برات
رعد سردی کے ہاتھ گرم فروش | ابر دوشِ ہوا پہ بالا پوش
برف پڑتی نہیں فلک نداف | پھینکے ہی واسطے زمیں کے لحاف
شب جو رخشندگی پہ برق آئے | ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جائے
گر کسی شخص کو مرض ہی اب | تو وہ جاڑے ہی سے کرے کرتب
فرطِ سرما سے دیکھیے جس کو | دست زیرِ بغل ہی مثلِ سبو
منعموں کے گھروں میں آج اور کل | ہیں پڑے پردے دبکے ہی منقل
پہنتے ہیں سمور اور قاقم | ٹھنڈ سے کھینچتے ہیں سو دم
اس پہ جاڑے سے ہی یہ انکا حال | ناک سے چھوٹتا نہیں رومال
جھینکنا جاڑے کا جو جھینکتے ہیں | اک سخن ہی تو لاکھ چھینکتے ہیں
کوئی اب جا سے ہل نہیں سکتا | گھر سے باہر نکل نہیں سکتا
پھر جو کوئی ندان سے نکلے ہی | ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہی

جلد اول

لپٹے رہتے ہیں روئی میں مجبور — جس طرح ناشپاتی و انگور

اہلِ حرفہ کو کیجیے جو نگاہ — کاروبار اُن کا ہوگیا ہے تباہ

پیٹ کر سر کہے ہے بھٹیارا — ہائے اب کیا کروں میں بیچارا

سقّا بولے ہے بھر کے آنکھوں میں اشک — یارو پانی نکالو چیر کے مشک

آہ قناد بھر کے یوں بولے — بنی تھی قند ہو گئے اولے

دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں — برفی چھٹ کچھ دکاں میں اسکی نہیں

لگے ہے اب جو مرنے بیچارا — یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا

غرض ایسی ہے کچھ پڑی ہے ٹھنڈ — مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ

سودا آخر ہے سردی کا مذکور — شعر بھی گر خنک ہوں رکھ معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

سودا

۳۹- شبِ شتا

اے زمستاں کہوں کس طرح تری رات کا لطف
تری شبہائے دراز اور وہ برسات کا لطف

ہر کوئی چھینٹ کا اوڑھے ہوئے فرغل بیٹھا
پر پھلائے ہوئے جیسے کوئی بلبل بیٹھا

اوڑھ بیٹھا کوئی سردی سے لحاف اپنا ہے
کوئی کر بیٹھا بچھونے کو غلاف اپنا ہے

کچھ لحافوں سے ابھی منہ کو نکالے ہیں پڑے
لیکن انگیٹھی کو پہلو میں سنبھالے ہیں پڑے

مارے سردی کے جگر سینوں میں تھرّاتے ہیں
بچّے ماں باپ کی بغلوں میں گھُسے جاتے ہیں

کہیں سُو سُو کہیں سی سی ہے کہیں سیٹی ہے
گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں انگیٹھی ہے

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے

سازِ عشرت کے لیے برگ و نوا ہی تجھ سے

شبِ سرما ہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا
یار حقّے کے ترے دَور میں ملتے ہیں مزے
دُود تلخ اس کے سوا دودھ دیتی ہیں مزے

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا
صُوفی و رند کے جلسے کا تو ہی ساقی ہے
مایۂ عیش و طرب دم سے ترے باقی ہے

ہر طرف ہیگی پیالی پہ پیالی اُڑتی
مے نہ ہووے تو ہے تصویر خیالی اُڑتی
لے کے نشّے مست پڑے شکرِ خدا کرتی ہیں
چائیں پی پی کے ترے سر کو دعا کرتی ہیں

بس کر اے دل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی
مارے سردی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی

میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا
تیرے آزاد کو پالے سے پڑا ہے پالا
آرزو کچھ نہیں دُنیا کی رہی ہے دل میں
اب تمنّا جو ہے باقی تو یہی ہے دل میں
طپشِ عشق سے دل میرا رہے نرم سدا
گرمیِ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

(آزاد)

۴۹ - موسمِ خزاں

گزر چکیں تھیں بہاریں خزاں کا موسم تھا
کہ اتفاق سے میں اک چمن میں جا نکلا
عجیب حال گل و گلستاں نظر آیا
نگہ اُٹھا کے جدھر دیکھا آنکھ بھر لایا
وہ زرد زرد تھے رنگ آہ سبز پوشوں کے
کہ شکل دیکھی نہ جاتی تھی اِن کی آنکھوں سے
کھڑے تھے بیکس و مجبور سے بچارے سے
لُٹے لُٹائے پریشان غم کے مارے سے
نہ موتیا، نہ چنبیلی، نہ موگرا دیکھا
برائے نام نہ غنچہ کوئی کھلا دیکھا
زباں دراز نہ سوسن کہیں نظر آئی
نہ آنکھ نرگسِ شہلا نے ہائے دکھلائی

نہ سبزیاں، نہ طراوت نہ تازگی نہ فضا — نہ خوشگوار ہوائیں نہ لطفِ نظّارا
روش روش پہ غضب ابتری سی چھائی ہوئی — خزاں کے ہاتھ سے اِک خاک سی اُڑائی ہوئی
یہ سیر دیکھ کے دل میں بہت ہی پچھتایا — کہ آج اِس جگہ کیوں سیر کو چلا آیا

یہاں نہ آتا تو ناحق ملال کیوں ہوتا
کسی کے حال کا مجھ کو خیال کیوں ہوتا

(مائل)

۴۱- موسمِ خزاں

آ زمستاں کہ ہے تو بادشہِ برفانی — شاہِ برفانی و شاہنشہِ برفستانی
بادِ صرصر ہے نشاں تیرا اُڑاتی آتی — فوجِ اقبال کو رستہ ہے بتاتی آتی
جس طرف تیرے پھریرے کا ہے جھونکا جاتا — مارے ہیبت کے ہے دل سینوں میں تھرّا جاتا
باغ پر جب ہے ترے قہر کا جھونکا آتا — ڈر کے ہر برگ ہے پیوندِ زمیں ہو جاتا
تیرے سنّاٹے سے ہوتی ہے فنا جانِ نبات — خوف کے مارے دہل جاتے ہیں طفلانِ نبات
تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن — منہ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن
ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اُڑاتے سارے — گل و گلزار ہیں ویران نظر آتے سارے

نغمہ سنجانِ چمن پر ہیں پھلائے بیٹھے ۔۔۔ اور پر و بال میں ہیں منھ کو چھپائے بیٹھے ۔۔۔ جلد اوّل
باغباں کا جو گلستاں میں گزر ہوتا ہے ۔۔۔ لبِ حیرت سے یہی کہتا ہے اور روتا ہے
یا الٰہی وہ جوانانِ چمن ہو گئے کیا ۔۔۔ باغ سنسان ہے مرغانِ چمن ہو گئے کیا
رازِ غم کس سے کھلے باغ میں بلبل بھی نہیں ۔۔۔ کان میں پوچھیے کس سے کہ یہاں گل بھی نہیں
نہ تو غنچہ کوئی باقی ہے کہ جو منھ کھولے ۔۔۔ نہ ہی گلزار میں سوسن جو زباں سے بولے

کہ درختانِ چمن باغ میں عریاں کیوں ہیں
ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیراں کیوں ہیں

(آزاد)

۳۴- آمدِ بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی ۔۔۔ کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک ۔۔۔ اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر ۔۔۔ روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی ۔۔۔ بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے ۔۔۔ چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

جلد اوّل

ہی ہوا میں شراب کی تاثیر   باده نوشی ہی باد پیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ

شاہِ دیندار نے شفا پائی

(غالبؔ)

۴۳۔ آمدِ بہار

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی

بہار آئی بہار آئی بہار آئی

بہار آئی دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے

زمیں کی تہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جان اس نے

بہار آئی ہی نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے

بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

جہاں سے مٹ گیا برگِ خزاں کا بدنما سکہ

بہار اب ڈھالتی ہی اشرفی کے پھول کا سکہ

ہوائے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنسی پڑتی ہیں کلیاں جب یہ آنکھ منہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اس نے برفِ صاف پگھلا کر
رواں ہو کر وہی پانی سمندر میں ملا جا کر

شمیمِ باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آ گیا پرِ بن سے سبزے کے نکلنے کا

دلھن کی شکل ہر گُل نے لباسِ سرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہے

ہوا مشاطگی پر نیّرِ اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دنیا کا رخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رخ پہ زردی ہے
کہ وہ فوج اس پہ غالب آئی جس کی سرخ وردی ہے

نکل آئے حجابِ ارض سے گل پیرہن لاکھوں
کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر
محبّت سے ہَوا مُنہ چومتی ہے بار بار آکر
جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں ان کو جکڑتی ہے زمیں کو وہ جکڑتی ہیں

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا
عیاں سبزہ پہ اُلفت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کی بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالہ کے کہ انگارے دہکتے ہیں
ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جن کی
ادائیں دلربا جن کی صدائیں نغمہ زا جن کی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں
دیا ہے تتلیوں کو رزق کا سامان پھولوں نے

کیا بھونروں کو جوشِ فیض سے مہمان پھولوں نے جلد اوّل
ہوا ہی نے کھلائے گل ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر ان کو کھاتی ہے
غرض اے شوقؔ اترانا عبث ہے حسنِ فانی پر
گھمنڈ انساں کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

(شوقؔ قدوائی)

۴۴- صبحِ بہار

واہ کیا پُر فضا ہی صبحِ بہار — واہ کیا دلفریب ہیں اشجار
ہر طرف ہیں شگفتہ لالہ و گل — ہی چمن پر غضب کا آج نکھار
شاخِ گل پر ہے بلبلوں کا ہجوم — کر رہی ہیں ستائشِ غفّار
کیا ہی پُر درد نالۂ قمری — کیسے دلکش ہیں نغمہائے ہزار
کہیں طوطی کی پیاری پیاری صدا — کہیں کوئل کا کوکنا ہر بار
کہیں وہ شورِ غُل پپیہوں کا — کہیں وہ نالہ ہائے بلبلِ زار
کیا ہی دلکش ہی صبح کا عالم — رشکِ جنت ہی تختۂ گلزار

ہر طرف طائرانِ خوش الحان — شادمانی کا گا رہے ہیں ملہار
جس طرف دیکھو پُر فضا ہے سماں — جس طرف دیکھو سبز ہیں اشجار
کہیں بیلا چمیلی جوہی ہے — کاسنی کیتکی کہیں ہیں چنار
کہیں شبّو کہیں گلاب کے پھول — کہیں نسرین و نسترن کی بہار
کیسے سرسبز ہیں یہ برگ و شجر — کیسے شاداب ہیں گُل و گلزار
نہ کہیں ہے خزاں کا نام و نشاں — باغ سیراب سبز ہیں اشجار
چل رہی ہے نسیم عنبر بیز — جس سے بشاش ہے دلِ بیمار

واہ کیا دلفریب منظر ہے
واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار

(آج)

۴۵۔ لطفِ بہار

اک روز گلستاں میں جو میرا گزر ہوا — لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا
جادو بھرا تھا گل کا ادھر حسنِ جانفزا — بلبل ادھر ترانۂ الفت سے خوش نوا
سبزے کا فرش بادِ بہاری بچھا گئی — شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادائے تبسم دکھا رہی تھیں مسکرا کے بجلیاں گویا گرا رہی
بادِ صبا انھیں تھی کبھی گدگدا رہی منھ چوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی

شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی
سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ہلا رہی تھی گاہ طفلِ غنچہ کو جھولا جھلا رہی
مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی انداز لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی

سوسن کی ہمزباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی

تھیں خندہائے گل میں عجب جاں نوازیاں نالوں میں بلبلوں کے نہاں جاں گدازیاں
پپیہے کے پیچ پیچ میں افسوں طرازیاں نرگس کی چشم مست میں سو سحر سازیاں

کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں
آنکھوں سے تھی ٹپک رہی اسکی شرارتیں

مرغانِ بوستان بھی بیتاب سر بسر بیچین اُڑ رہے تھے چمن میں اِدھر اُدھر
گویا وہ ڈھونڈتے تھے کسی کو شجر شجر قربان کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر

نرگس پہ نسترن پہ گُل و سبزہ زار پر
شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر
دھانی لباس پہنے عروسِ بہار تھی | زیبِ گلو کیئے ہوئے پھولوں کے ہار تھی
ہر برگِ گُل سے شانِ جمال آشکار تھی | جوبن کے اس بہار پہ جنت نثار تھی
شہرت بہارِ حُسن کی تھی آسمان پر
تعریف اس کی مرغ جناں کی زبان پر

(مبارک)

۴۶۔ بہار

شادابیٔ ہوا میں یہ کیفیت آج ہے | سو رنگ کے شگفتہ ہیں گُل شاخسار پر
اشجار جھومتے ہیں پڑے صحنِ باغ میں | تاک اینڈتے ہیں مست پڑے جوبار پر
موجِ بہار لالۂ خود رو نے اے نسیم
کچھ آگ سی لگائی ہے آبِ جوبار پر

(انشاء)

۴۷- جوشِ بہار

بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں — گریباں چاک کر چل بیٹھے صحرا کے دامن میں
جنوں کے جوش میں یکجا نہیں دم بھر قرار آتا — کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں

(آتش)

۴۸- بادِ مُراد

چل اے بادِ بہاری سمتِ گلزار — تمنائی ہے تیرا ہر گُل و خار
نہال و نخل و سبزہ سب ہیں سنسان — گیاہِ مُردہ میں تو ڈال دے جان
نہیں گلشن میں پتّے کا بھی کھڑکا — ذرا شاخیں ہلا طائر کو بھڑکا
لپک تیزی سے اے بادِ بہاری — کہ ہو جائے چمن پر وجد طاری
جو تو لہکے تو سبزہ لہلہائے — چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے
لچک جائے کمر نازک شجر کی — زمیں پر جھک پڑے ڈالی ثمر کی
ٹپک جائے جو ہو پکّا ہوا پھل — کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوجھل
سنا بادِ صبا کیا کیا خبر ہے — قلمرو میں تری کل بحر و بر ہے

ذرا کر دامنِ صحرا میں راحت — بہت کی تو نے دریا کی سیاحت
بس اب آرام کر لوگوں کے گھر میں — رہی تا دیر تو سیر و سفر میں
ترے ہمراہ چلے آئے ہیں باہم — یہی ہیں کیا سفیرِ بحرِ اعظم
جلو میں ہے ترے اک فوج جرار — تو ہی ہے ابر کے لشکر کی سردار
اٹھایا ہے سمندر تو نے سر پر — گھٹا کو لاد کر لائی کمر پر

تری تیزی سے ہیں بادل چمکتے
ترے جھوکوں سے ہیں قطرے ٹپکتے

چمن میں ابر ہے ٹھنڈی ہوا ہے — ہجومِ طائرانِ خوش نوا ہے
کبھی جھونکا نکل جاتا ہے سن سے — کبھی آہستہ رو موجِ صبا ہے
غبار و گرد سے جو اَٹ گئی تھی — صبا نے غسل کا ساماں کیا ہے
ہوا نے کیا ہوا باندھی چمن میں — کہ خوبانِ چمن کا سر کھلا ہے
چمن کا پتّہ پتّہ ہے نوا سنج — صبا کی آمد آمد جا بجا ہے
گلوں کی ڈالیاں جھک جھک گئی ہیں — زمیں پر سبزہ کیسا لوٹتا ہے
کھلی ہر پنکھڑی گلہائے تر کی — صبا نے کان میں کیا کہہ دیا ہے

بکھری نسترن پر زلفِ سُنبل صبا شوخی میں فتنہ ہے بلا ہے
گیاہِ سبز کا طُرّہ پریشان
صبا تیرے ہی چھیڑے سے ہوا ہے
کرا ے بادِ مراد آہنگ آفاق جہازِ سست رَو ہے تیرا مشتاق
پھر یرے کو اُڑا کس بادباں کو کہ دیکھیں ساحلِ ہندوستاں کو
خلیج و آبنا و بحر و ساحل ترے دیکھے پڑے ہیں سب مراحل
مقامِ استوا سے تا بہ قطبین تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین
بہت کھوندے ہیں کوہ و دشت تو نے
کیا بحرین کا گلگشت تو نے
تو ہی ہے اے نسیمِ صبح گاہی مثالِ رحمتِ عامِ الٰہی
جہاں میں ہیں ترے الطاف حاوی غریب و امیر ہیں سب مساوی
کبھی بنتی ہے ایسی تند و پُرزور معاذ اللہ معاذ اللہ ترا زور
اگر تو خشمگیں اے تند خو ہو تہ و بالا جہازِ جنگجو ہو
کبھی دریا میں لیجائے بہا کر کبھی ساحل پہ دے پٹکے اٹھا کر
اُڑاتی ہے اسے تو راہ بے راہ جہاز آگے ترے ہے مثلِ پرِ کاہ

جلد اوّل

معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے — تری تیزی نشانِ قہرِ رب ہے
اُجاڑا تو نے گلزار و چمن کو — ہلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو
یہ چھیڑا نے میں کیسا راگ تو نے — نیستاں میں لگا دی آگ تو نے
تری رفتار ہے بیباک کیسی — اُڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی
یہ گُل کرتے ہیں تجھ نے بے تامل — کیا اِک دم زدن میں شمع کو گُل
کبھی گرمی سے گرما گرم ہے تو — کبھی سردی سے سرد و نرم ہے تو
چُرا لیتی ہے تو پانی کو چپ چاپ — نظر آتا نہیں جب بن گیا بھاپ
جو بادی چور تو ایسی نہ ہوتی — نہ پاتے صبح کو شبنم کے موتی
خوشامد تیری خصلت میں نہیں ہے — تری تیزی برابر ہر کہیں ہے
اُجاڑا گر کسی مفلس کا چھپّر — اُکھاڑا خیمہ و خرگاہِ لشکر
نہ در گزرے غریبوں کے مکاں سے — نہ جھجکے طرۂ تاجِ شہاں سے
نہیں کچھ تجھ کو خوفِ شانِ سلطاں — اُڑایا پردۂ ایوانِ سلطاں
کسی کا طرۂ طرّار چھیڑا — کسی کا بُرقعِ زرتار چھیڑا

غرض دلچسپ تیری ہر ادا ہے
تری شوخی و چالاکی بجا ہے

۴۹- گرمی کا موسم

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں اور آگ سی لگ رہی تھی بَن میں
سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے اور ہانپ رہے تھے چارپائے
تھیں لومڑیاں زباں نکالے اور لو سے ہرن ہوئے تھے کالے
چیتوں کو نہ تھی شکار کی سدھ ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سدھ
تھے شیر پڑے کچھار میں سست گھڑیال تھے رود بار میں سست
ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا
بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں اور دودھ نہ تھا گئوں کے تھن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ تھا پیاس کا ان پہ تازیانہ
طوفان تھے آندھیوں کے برپا اٹھتا تھا بگولے پر بگولا
آرے تھے بدن پہ لو کے چلتے شعلے تھے زمین سے نکلتے
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک پانی کی جگہ برستی تھی خاک

بندِ اوّل

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی   وہ بادِ سموم سے سوا تھی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک   جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک
ٹٹی میں تھا دن گنواتا کوئی   تہ خانہ میں منھ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان   آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
چلتی تھی دکان جن کی دن رات   بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہاتھ
خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا   یا پیاؤ یا سبیل پر تھا
پانی سے تھی سب کی زندگانی   میلا تھا وہاں جہاں تھا پانی
تھیں تن پہ ستیں لپکتی لُو   فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
تھے جو خفقانی اور مراقی   گرمی سے نہ تھا کچھ ان میں باقی
کھانے کا نہ تھا انھیں مزہ کچھ   آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بن کھائے کئی کئی دن اکثر   رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے   ور پیٹ کے صبح تھے پکڑتے
بچوں کا ہوا تھا حال بےحال   کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُن کے پیاس سے دم   تھے پانی کو دیکھ کرتے ہم ہم
پانی دیا گر کسی نے لاکر   پھر چھوڑتے تھے نہ منھ لگا کر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری
پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور
پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا

(حالی)

۵۰۔ گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایہ
چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ
لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے
کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے
بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے
چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
درندے چھُپ گئے ہیں جھاڑیوں میں
مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں

نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی — زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ — ذرا سی جھونپڑی محنت ثمرہ
امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

(اسمٰعیل)

۵۱- شبِ گرما

بچھا صحن میں تھا بڑا سا جو تخت — وہاں آکے بیٹھا وہ فرخندہ بخت
لگا سامنے آکے دستر خوان — بہم کھا کھلا کر ہوئے شادماں
فراغت ہوئی کھانے پینے سے جب — بچھونوں پہ آئے قرینے سے تب
برابر برابر بچھے تھے پلنگ — پڑیں چادریں ان پہ مہتاب رنگ
فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے — ستارے تمام ان پہ بکھرے ہوئے
چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا — کہ سورج کا منظر کر دیا ماند تھا
ادھر چاندنی نور پھیلا رہی — سیاہی ادھر رنگ دکھلا رہی
وہ چھائی ہوئی رات تاروں بھری — کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری

پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا — کہ بیٹا تھا شکّر لپٹا ہوا
پدر تھا جو تاریخ کا رازداں — سناتا تھا ہر دم نئی داستاں
دیا یہ مزہ اِن حکایات نے — کہ انگڑائی گردوں پہ لی رات نے
ہَوا آکے پنکھا ہلانے لگی — ہر اک کو غرض نیند آنے لگی
تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے — دوپٹے لیے تان اور سو رہے
بیاں کیا کروں رات کی شان کا — زمانہ میں عالم ہی سُنسان کا
پڑا نیند میں مست سارا جہاں — نہ تھے چور باقی نہ تھے پاسباں
پڑے سوئے سب ایسے مدہوش تھے — کہ گھڑیال تک بھی تو خاموش تھے
درختوں میں تھی جو گزرتی ہوائیں — زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں
شبِ تار بھی نیند میں آن کر — سیہ چادر اپنی پڑی تان کر
ہمیشہ زمانہ کا دستور ہے — اندھیرے سے کرتا عیاں نور ہے
کہ چمکا ستارہ سحر گاہ کا — ہوا رنگ پھیکا رُخِ ماہ کا
ستاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں — تعجّب سے مشرق کو تکنے لگیں
شبِ تار کا رنگ فق ہوگیا — چراغِ سحر جاں بحق ہوگیا
سحر کے جو عالم نمودار تھے — دھوئیں اُڑ رہے تھے شبِ تار کے

لگے بولنے سب سحر کے طیور
گئی ان کی آواز نزدیک و دور

وہ لڑکا تھا جو بستر خواب میں
ستارہ ہو جوں چادر آب میں

اٹھا کر کہا اُس نے تکیہ سے سر
سلامٌ علیکم مبارک سحر

(آزاد)

۵۲- جاڑا اور گرمی

ایک دن جاڑے نے گرمی سے کہا
میں بھی ہوں کیا خوب موسم واہ وا

ہے بجا گر کیجئے میری صفت
ہے روا گر کیجئے میری ثنا

میں جہاں میں ہوں زمیں پر دلعزیز
مانگتے ہیں میرے آنے کی دعا

میرے آنے سے نہ ہو کیوں خرمی
کیا خنک پانی ہے کیا ٹھنڈی ہوا

چاندنی ہے بے کدورت بے غبار
آسماں ہے صاف نیلا خوشنما

رات گرمی کی تو کچھ ہوتی نہ تھی
دن کی محنت سب کو دیتی تھی تھکا

میری آمد نے کیا شب کو دراز
میرے آنے نے دیا دن کو گھٹا

تو مسافر کا جھلس دیتی تھی منھ
اور زمیں تلووں کو دیتی تھی جلا

اب ہوا بھی اور زمیں بھی سرد ہے ۔۔۔ کھو دیا ہیں نے حرارت کا پتا
مل گئی کتنے بکھیڑوں سے نجات ۔۔۔ ٹٹیاں موقوف پنکھا چھٹ گیا
دھوپ کا ڈر ہے نہ لُو کا خوف ہے ۔۔۔ اِن دنوں کی دھوپ ہی گویا غذا
سورج اب کترا کے جاتا ہے نکل ۔۔۔ فصلِ تابستاں میں تھا سر پر چڑھا
ہے حضر میں آج کل عیش و نشاط ۔۔۔ ہے سفر بھی ان دنوں راحت فزا
میرے دم سے تندرستی بڑھ گئی ۔۔۔ پائی مدّت کے مریضوں نے شفا
ڈاکٹر صاحب کو فرصت مل گئی ۔۔۔ اب شفاخانہ میں ہے کم جھمگٹا
ضعفِ معدہ کی شکایت مٹ گئی ۔۔۔ بے دوا خود بڑھ گئی ہے اشتہا
مکھیاں بھی رہ گئی ہیں خال خال ۔۔۔ بے تکلّف اب ہی کھانے کا مزا
گرم پوشاکوں نے اب پایا رواج ۔۔۔ میں نے بخشا اُن کو خلعت نیا
سل گئے توشک لبادے اور لحاف ۔۔۔ درزیوں نے پایا محنت کا صلہ
سیر ہوتے کون پوچھے برف کو ۔۔۔ باسی پانی برف کا ہی ہے بچا
ندی نالوں کا گیا پانی ٹھہر ۔۔۔ جھیل اور تالاب نے پائی صفا
طالبِ علم اب کریں گے کوششیں ۔۔۔ کوششوں سے ہوگا پورا مدّعا
ٹھیک وقت اِن ورزشوں کا ہے یہی ۔۔۔ تندرستی کا ہے جن سے فائدہ

جلد اوّل
حاکموں نے کر دیا دورہ شروع　　تاکریں دردِ رعایا کی دوائے
جا بجا فوجیں ہوئی ہیں مجتمع　　تاکہ میداں میں کریں مشقِ وغا
سیب، نارنگی، بہی، لیمو، انار　　میوہ ہر اک قسم کا بکنے لگا
تخم ریزی جنسِ اعلیٰ کی ہوئی　　کھیت میں بویا گیا گیہوں چنا
عید کی سی دھوم ہے دیہات میں　　پک گئی ایکھ اور کولھو چل پڑا
ہے مٹھائی کی نہایت ریل پیل　　چل رہی ہے آج کل میٹھی ہوا
اُنس ہے محنت مشقّت سے مجھے　　کاہلی کو میں نہیں رکھتا روا

محنتی ہیں مجھ سے خوش میں اُن سے خوش
کاہلوں کا میں نہیں ہوں آشنا

سُن کے یہ باتیں ہوئی گرمی بھی تیز　　اور جل کر یوں جواب اُس کو دیا
آپ اپنے منہ میاں مٹھو نہ بن　　خودستائی عیب ہے او خودستا
اُس کو ہوتا ہی نہیں حاصل کمال　　جو کہ اپنے آپ کو سمجھے بڑا
باہنر تو سرکشی کرتے نہیں　　بلکہ سر کو اور دیتے ہیں جھکا
تیری خودبینی ہوئی تجھ کو حجاب　　خوبیوں کو میری سمجھا بدنما
تجھ سے عالم میں خزاں کا ہے ظہور　　مجھ سے ہی فصلِ بہاری کی بنا

تو نے شاخوں کے لیے پتّے کھسوٹ — تو نے پیڑوں کو برہنہ کر دیا
میرے آنے سے پھلے پھولے شجر — سبز پوشاک اُن کو کی میں نے عطا
میں نے شاخوں میں لگائے برگ و بار — ورنہ کیا تھا اِن میں ایندھن کے سوا
کھیت جاڑے بھر تو پیچھے ہی رہے — ہاں مگر میں نے دیا اِن کو پکا
تو نے رکھے تھے بخیلوں کی طرح — برف کے تودے پہاڑوں میں چھپا
میں نے پگھلا کر کیا تقسیم اسے — تا کہ پہنچے سب کو فیض و فائدہ
خشک چشمے بھر گئے دریا چڑھے — دیکھ لے میرا کرم میری سخا
تجھ سے تھی مخلوق میں افسردگی — کون خوش تھا جز گروہِ اغنیا
میری آمد نے مساوی کر دیئے — راحت و آرام میں شاہ و گدا
کر دیا میں نے رگوں میں خوں رواں — ٹھنڈ سے شل ہو گئے تھے دست و پا
میں نے کھولے آن کر تن کے مسام — کیونکہ تھا رکنا پسینہ کا بُرا
پھینک دی اب دلق کہنہ خلق نے — غلغلہ جو میری آمد کا سُنا
رات بھر رہتی تھی خلقت گھر میں بند — کر دیا اِس بند سے میں نے رہا
میں نے حکمت سے چلائیں آندھیاں — تا بدل جائے مکانوں کی ہوا
میں سمندر سے اُٹھاتی ہوں بخار — جس سے چھا جاتی ہے ملکوں پر گھٹا

جلداول

چہرۂ گردوں کا یہ گرد و غبار — ابر کے آنے کا دیتا ہے پتا
رات پر دن کو نہ کیوں ترجیح دوں — رات ہی تاریک دن ہی پرضیا
ہی ہمیشہ ابتدا میری بہار — ہی سدا برسات میری انتہا
تھیں بہت دونوں کی تقریریں دراز — اور طولانی بیانِ ماجرا
سُن کے اِن دونوں کی یہ کج بحثیاں — ایک دانا نے کیا یوں فیصلہ
کچھ نہیں ہی اِس میں جاڑے کا قصور — کچھ نہیں ہے اِس میں گرمی کی خطا
جب حقیقت پر نہیں ہوتی نظر — یوں ہی رہتا ہی بہم شکوہ گلا

ہے حرارت کی کمی بیشی فقط
ورنہ جاڑا کون اور گرمی ہی کیا

(اسمٰعیل)

۵۳۔ خدا کی صنعت

جو چیز خدا نے ہے بنائی — ظاہر ہے اِس میں خوشنمائی
کیا خوب ہی رنگ ڈھنگ سب کا — چھوٹی بڑی جس قدر ہیں اشیا
ہر چیز کی ہی ادا نرالی — حکمت سے نہیں ہی کوئی خالی

ننھی کلیاں چٹک رہی ہیں ۔ چھوٹی چڑیاں پھدک رہی ہیں
اس کی قدرت سے پھول مہکے ۔ پھولوں پہ پرندے آکے چہکے
چڑیوں کے عجیب پر لگائے ۔ اور پھول ہیں عطر میں بسائے
چڑیوں کی ہے بھانت بھانت آواز ۔ پھولوں کا جدا جدا ہی انداز
محلوں میں امیر ہے بآرام ۔ ہے در پہ کھڑا غریب ناکام
ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج ۔ بے گھر ہے کوئی کسی کے گھر راج
روزی دونوں کو دی خدا نے ۔ معمور ہیں قدرتی خزانے
دن کو بخشی عجب صفائی ۔ تاروں بھری رات کیا بنائی
موتی سے پڑے ہوئے ہیں لاکھوں ۔ ہیرے سے جڑے ہوئے ہیں لاکھوں
کیا دودھ سی چاندنی ہے چھٹکی ۔ حیران ہو کر نگاہ ٹھٹکی
تارے رہے صبح تک نہ وہ چاند ۔ آگے سورج کے ہو گئے ماند
نیلا نیلا اب آسماں ہے ۔ وہ رات کی انجمن کہاں ہے
شام آئی تو اس نے پردہ ڈالا ۔ پھر صبح نے کر دیا اجالا
جاڑا، گرمی، بہار، برسات ۔ ہر رت میں نیا سماں نئی بات
جاڑے سے بدن ہے تھرتھراتا ۔ ہر شخص ہے دن میں دھوپ کھاتا

سردی سے ہیں ہاتھ پاؤں ٹھرتے — سب لوگ الاؤ پر ہیں گرتے
سرسوں پھولی بسنت آیا — سب نے پھاگن کا راگ گایا
پھوٹیں نئی کونپلیں شجر میں — اک جوش بھرا ہوا ہے سر میں
جاڑے کی جو رت پلٹ گئی ہے — دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے
گرمی نے زمین کو تپایا — بھانے لگا ہر کسی کو سایا
برسات میں دل ہیں بادلوں کے — ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے
رو آئی ہے زور شور کرتی — دامانِ زمین کو کترتی
کس زور سے بہ رہا ہے نالہ — اونچے ٹیلہ کو کاٹ ڈالا
بل کھا کے ندی نکل گئی ہے — رُخ اپنا اُدھر بدل گئی ہے
دریا ہے رواں پہاڑ کے پاس — بستی ہے بسی اُجاڑ کے پاس
بستی کے اِدھر اُدھر ہے جنگل — جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل
مٹی سے خدا نے باغ اُگائے — باغوں میں اُسی نے پھل لگائے
میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی — دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی
سبزے سے ہرا بھرا ہے میداں — اونچے اونچے درخت ذیشاں
بخشیں آنکھیں بنائیں دو دو — قدرت کی بہار دیکھنے کو

ہر شے اِس نے بنائی نادر
بیشک ہے خدا قوی و قادر

(اسمٰعیل)

۵۴- خدا کی کاریگری

تعریف اُس خدا کو جس نے جہاں بنایا — کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا
پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرشِ خاکی — اور سر پہ لاجوردی اِک سائباں بنایا
مٹی سے بیل بوٹے کیا خوشنما اُگائے — پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا
خوش رنگ اور خوشبو گُل پھول ہیں کھلائے — اِس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا
میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ رسیلے — چکھنے سے جن کے مجھ کو شیریں دہاں بنایا
سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی — کیا خوب چشمہ تو نے اے مہرباں بنایا
سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی — رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکاں بنایا
پیاسی زمیں کے منہ میں مینھ کا چوایا پانی — اور بادلوں کو تو نے مینھ کا نشاں بنایا
یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی — قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا
تنکے اُٹھا اُٹھا کے لائیں کہاں کہاں سے — کس خوبصورتی سے پھر آشیاں بنایا

اونچی اُڑیں ہوا میں بچّوں کو نیر بھولیں — ان لمبے پرّوں کا ان کو روزی رساں بنایا
کیا دُودھ دینے والی گائیں بنائی تو نے — چڑھنے کو میرے گھوڑا کیسا خوشنما بنایا
رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسّر — ان نعمتوں کا مجھ کو پھر قدر داں بنایا
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے — مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائیگاں بنایا

(اسمٰعیل)

۵۵- ہندوستان کے پھول

فصلِ بہاری آئی چمن میں — پھول کھلائے دشت و دمن میں
قدرت کی یہ رنگ آمیزی — سبزہ و گل کی رستا خیزی
گلِ عباس کی یہ رنگینی — بوشبّو کی بھینی بھینی
کہیں ہے لالہ کہیں ہے خیری — کہیں ہے گیندا کہیں دوپہری
مدن مست کی بو متوالی — مولسری کی باس نرالی
جاہی جوہی اور چنبیلی — چنپا کی خوشبو البیلی

ساونی اپنے رنگ میں ماتی | ادھر مالتی ہے اتراتی
دونا مروا اور ہزارا | رنگ اشرفی سب سے پیارا
نافرمان اور گل داؤدی | رنگت زرد سنہری اودی
ٹیسو پھولا جنگل دہکا | کیوڑے سے سارا بن مہکا

تالابوں میں کنول کھلا ہے
اور سنگھاڑا خوب پھلا ہے

(عادل کنتوری)

دیگر

ہے اس مملکت کی عجب گل زمیں | کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں
دل بستہ دیکھ ان کو ہو باغ باغ | جو سونگھے تو بھر جائے بو سے دماغ
گندھے بن گندھے گر وہ محفل میں آئیں | تو محفل کو عالم چمن کا بنائیں
کروں وصف کیا مونگرے کا بیاں | کہ اک اک کلی اس کی ہے عطرداں
خوش آیند ہے نکہت اسے بیل | رہے بزم میں اس کی نت ریل پیل
بہت موتیا کی پیاری ہے بو | ہر اک گل سے اس کی نیاری ہے بو

نواڑے کی از بسکہ میٹھی ہے بُو | دلوں کو وہ مقبول کیونکر نہ ہو
جُدا سب سے دو پہریا کا ہے روپ | کہاں اس کی رنگت کو لگتی ہے دھوپ
گلوں سے نرالا ہے گُل چاندنی | چمن کا اُجالا ہے گُل چاندنی
ہر اک گُل کا ہے رنگ و عالم جُدا | نہیں لطف سے کوئی خالی ذرا
جسے دیکھئے ہر طرح خوب ہے | طبیعت کو ہر اک کی مرغوب ہے
ہوئے ستے یوں تا کہ پہنے منگا | زنِ بے نوا و زنِ بادشا

جو عالم دکھاتے ہیں دُفری کے پھول
وہ ہرگز نہ ہو موتیوں سے حصول

۹

۵۶۔ کنج عزلت

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یا رب | کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا | ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو
مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری | دامانِ کوہ میں اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں | چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو جلداوّل

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
اُمید اُن کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مری دعا ہو

دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو
سرسبز جن کی نم سے بوٹا اُمید کا ہو

اِس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رُلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید اُنھیں جگا دے

(اقبال)

۵۷- باغ

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ

عمارت میں خوبی دروں کی وہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان

چھتیں اور پردے بندھے زرنگار
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

کوئی ڈورے در پہ اٹکا ہوا
کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر
کہ مہ کا بندھا جس سے تارِ نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری مغرق چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کی گل کاریاں

دیئے ہر طرف آئینے جو لگا
گیا چوگنا لطف اُس میں سما

وہ مخمل کا فرش ایسا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

رہیں لخلخے اس میں روشن مدام
معطّر شب و روز جس سے مشام

چھپر کھٹ مرصّع وہ دالان میں
چمکتا دمکتا تھا ہر آن میں

زمیں پر تھی اس طور اس کی جھلک
ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

زمیں کا کروں اس کی کیا میں بیاں
کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر — گئی چار سو اس کے پانی کی لہر
کھڑے تھے قرینے سے سرو سہی — ذرا دُور دُور اُن سے سیب بہی
کہوں کیا میں کیفیتِ دار بست — لگائے رہیں تاک واں مے پرست
ہوائے بہاری سے کچھ لہلہے — چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے
زمرد کی مانند سبزہ کا رنگ — روش پر جواہر لگا جیسے سنگ
روش کی صفائی پہ بے اختیار — گلِ اشرفی نے کیا زر نثار
چمن سے بھرا باغ گُل سے چمن — کہیں نرگس و گُل کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا — کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا
کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشان — مدن بان کی اور ہی آن بان
کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار — جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار
کہیں جعفری اور گیندا کہیں — سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار — کہ ہر اک سفیدی سے مہتاب وار
کھڑے سرو کی طرح چنپا کے جھاڑ — کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن — عجب رنگ کے زعفرانی چمن
پڑا آب جو ہر طرف کو بہے — کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لبِ نہر پر جھُومنا
اِسی اپنے عالم میں مُنہ چومنا
وہ مُجھک مُجھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر
لیئے ہاتھ میں سیلچے مالنیں
چمن کو لگیں دیکھنے بھالنے
کہیں تخم پاشی کریں گود کر
پنیری جما دیں کہیں کھود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لبِ جو پہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا حد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کو لیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر تازا ور قرقرے
لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور
چمن آتشِ گل سے دہکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول
پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول
وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں
لگی جائیں آنکھیں لیے جن کا ناؤں
خوشی سے گلوں پر صدا بلبلیں
تعشق سے آپس میں باتیں کریں
درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کہ لیں طوطیاں بوستاں کا سبق

سماں قمریاں دیکھ اس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستان کا

(میر حسن)

۵۸- باغ

دیکھا اک باغ کہ قدرت نے لگایا ہے وہاں
گلِ خود رو نے عجب جلوہ دکھایا ہے وہاں

مخملِ سبز سے ہے سبزۂ تر یا انداز
رنگِ گل اُس پہ دکھاتے ہیں تماشا انداز

برسرِ کوہ جو پانی کا ہے چشمہ جاری
نہر بن بن کے دکھاتا ہے عجب سرشاری

آب یوں سر ہے بدامانِ جبل مار رہا
سانپ سیماب کا ہو جیسے کہ بل مار رہا

سنگِ مرمر کی لبِ آب جو اک سل ہے پڑی
اس پہ اک رشکِ پری ہاتھ میں پونچی جڑی

رنگِ رُخ کو گلِ رخسار سے چمکائے ہوئے
بیٹھی اک پاؤں کو پانی میں ہے لٹکائے ہوئے

اس پہ ہے چھتر کی جا سایہ فگن سبز نہال
پھول برساتی ہے پہلو میں کھڑی بادِ شمال

(آزاد)

۵۹ - باغ بنگلہ

باغ ہی پر عجب ہے یہ روداد — نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد
گل ہیں سب اپنے اپنے جوبن پر — بوئے گل ہے صبا کے توسن پر
ہے عجب پر شگوفۂ دیر گل — باغ رنگین جس سے ہے بالکل
ہے عجب لطف پر بہارِ چمن — جھومتے ہیں کھڑے نہالِ چمن
سبزہ یک جا پہ لہلہاتا ہے — پیچ سنبل کہیں پہ کھاتا ہے
مالتی کھل رہی جو ہر سو ہے — کچھ عجب بھینی بھینی خوشبو ہے
آب پاشی سے سبزہ لائقِ دید — سبز مخمل پہ جیسے مروارید
پھول اک ایک اس میں بوقلموں — ہو جسے دیکھ آدمی کو جنوں
وہ سہانا سہانا وقتِ زوال — لطفِ گلشن سے ہر شجر ہے نہال
باغ چھوٹا سا پیارا پیارے چمن — گل تو گل پتّی پتّی پہ جوبن
بیچ میں بنگلہ ایک ہی حسن کا — فرش جس میں تمام اطلس کا
چار جانب سے آتی ہے خوشبو — کہیں جوہی کھلی کہیں شبّو
ہر چمن پر نئی طرح کی بہار — پھولا اک سمت کو ہے ہارسنگھار

سب چمن اپنے اپنے رنگ کے ہیں — پھول کچھ چین کچھ فرنگ کے ہیں
قفسِ طائرانِ تیز زباں — ہیں قرینوں سے اپنے آویزاں
گُل جو چاروں طرف مہکتے ہیں
مست ہو ہو کے سب چہکتے ہیں

(مرزا شوق)

۶۰۔ آرائشِ باغ

نظر آیا دونوں کو اک خانہ باغ — کہ بلبل کا دل جس کی فرقت میں داغ
مُصفّا وہ نہر اس میں اک بے عدیل — کہے تو کہ ہے موجزن سلسبیل
ہزاروں سے یوں اس کے پانی رواں — کہ برسائے مینہ جس طرح آسماں
تھی سرسبز برچھیوں میں مہدی جہاں — وہ گویا زمرّد کی تھیں ٹٹّیاں
تھی سوسن کی رنگت اس اسلوب کی — خجل جس سے مسّی ہو محبوب کی
شجر اس کے تھے سب کے سب باثمر — قرینوں سے سب کچھ ادھر کچھ اُدھر
روش صاف صاف آئینہ کی مثال — شجر وہ کہ گلچیں ہو جس سے نہال
ہوا کے وہ جھونکے عجب سرد سرد — کہ کشمیر کا تختہ جس سے ہو زرد

وہ انگور کی ایک طرح دار بیل　　جوانوں کو مستی ہو لڑکوں کو کھیل
وہ بلبل کے نالوں کی ہر سمت دھوم　　وہ ہر سرو پر قمریوں کا ہجوم
وہ نہروں کا پانی چمکتا ہوا　　پھرے مست جیسے بہکتا ہوا
درختوں پہ بیٹھے ہوئے وہ طیور　　دلوں کو ہو جن کی صدا سے سرور
پپیہے کی آواز لیتی تھی جاں　　وہ کہتا تھا چلّا کے جب پی کہاں
تھی حالت عجب جانِ مایوس کی　　صدا جب کہ آتی تھی طاؤس کی

عجب دل پہ ہوتا تھا وحشت کا زور
منڈیروں پہ جب رقص کرتے تھے مور

(مرزا شوق)

۱۶۔ بہارِ چمن

مجھکو نہ دے ہمصفیر مژدۂ فصلِ بہار　　آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار
یاد ہے وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں　　آہ وہ طرفِ چمن اور وہ سرِ شاخسار
لالۂ حمرا کا رنگ اور وہ سبزہ کا روپ　　گوہرِ شبنم کی آب شاہدِ گل کا سنگھار
رنگ شفق کی نمود، نورِ سحر کا ظہور　　چرخ کی نیرنگیاں، شام و سحر آشکار

ابرِ سیہ کا ہجوم، اور وہ مینہ کا وفور   رعد کا وہ زور شور، اور وہ چمک بار بار
غنچۂ نشگفتہ کی، چار طرف وہ مہک   جیسے کوئی کھول دے، نافۂ مشکِ تتار
گل بہ سرِ شاخسار، یوسفِ مصرِ چمن   سرو لبِ جوئبار، مثلِ خضر آبدار
باغ کی سرسبزیاں، نخل کی سیرابیاں   پھول کی شادابیاں، ابرِ بہار آبیار
موج ہوا سے درخت، ہلتے ہیں یوں باغ میں   جیسے کہ دو سبزہ پوش، لطف سے ہوں ہمکنار
دیدۂ نرگس ہے یوں، شاہدِ گل کی طرف   جیسے کوئی منتظر، محو تماشائے یار
باغ میں گلچیں کو دخل، اور نہ صیّاد کو   رحمتِ پروردگار، چار طرف تھی حصار
ہم سے نہ تھا باغباں، برسرِ کین و فساد   اپنی طرف سے نہ تھا، دل میں کچھ اس کے غبار
وہ زرِ گل کی دمک، جس پہ ہو کندن فدا   قطرۂ شبنم کی آب، جس پہ ہو گوہر نثار
طبع کی صنعت گری، پر نہ ہوا فوق کچھ   سونے کا زیور بہت، لائے بنا کر سنار
لالۂ احمر تھا وہ، یا کہ عقیقِ یمن   موتیا کی تھی کلی، یا کہ دُرِ شاہوار
دیکھ کے یہ رنگ ڈھنگ، کہنے لگے جوہری   گل ہے ہر اک زرنگار، باغ جواہر نگار
نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا   آئی نسیمِ سحر، باغ میں مستانہ وار
آئی نسیمِ سحر، باغ کو جنبش ہوئی   ہلنے لگے سب درخت، گرنے لگے برگ و بار
یوں دہنِ غنچہ سے، قطرۂ شبنم گرے   دودھ اگلنے لگے، جیسے کوئی شیر خوار

آئی کسی شاخ سے، ایسی سُریلی صدا   جیسے بجائے کہیں، بین کوئی بین کار
پھیریں اُڑنے لگی، باغ میں چاروں طرف   تانیں اُڑانے لگے، اُونچے سُروں میں ہزار
جنبشِ بادِ سحر، پھونک دی سارا چمن   ہر طرف اُڑنے لگے، آتشِ گُل سے شرار
جمع کیے صبح نے، ایک ہی جا نار و نور   پر توِ خور محض نور، آتشِ گُل محض نار
چشمۂ خورشید سے، نور برسنے لگا   آتشِ گُل سے اِدھر، بن کے اُٹھا اِک غبار
سرد ہوائیں ہوئے، جبکہ بخارات جمع   پھر تو دُھواں دھار مینہ، پڑنے لگا ایک بار
وہ چمن اور آب جو، اور وہ ابرِ سیاہ   روم و حلب پر محیط، ہے سپہ زنگبار
مینہ کے برس جانے سے، دھوئے گئے سب درخت   نام کو بھی باغ میں، اب نہیں گرد و غبار
شاخ پہ اس طرح سے، شاہدِ گُل جلوہ گر   جیسے زمرّد کے تخت، پر ہو کوئی شہریار
ایک طرف نسترن، ایک طرف یاسمن   ایک طرف ارغواں، ساری ہیں خدمت گزار
اور بھی خادم کئی، سامنے موجود ہیں   جن کو اشارے کیے، چلتے ہیں سب کاروبار
ہے کوئی زریں کمر، اور کوئی زریں کلاہ   ہے کوئی سیمیں بدن، اور کوئی سیمیں عذار
لالۂ گُل کی نمود، کب ہے لبِ آب جو   آئینے میں دیکھتا، ہے چمن اپنی بہار
شاخ سے اکثر گرے، پھول جھکتے ہوئے   نہر کا پانی تمام، ہو گیا عطرِ بہار
بحرِ ظلمات میں سبز پری غوطہ زن   عکس ہے شمشاد کا، نہر میں یوں آشکار

چار گھڑی دن رہے، کا وہ سہانا سماں
شام اودہ شیفتہ، صبح بنارس نثار

موج ہوا سرد سرد، رنگ شفق سرخ زرد
لالۂ گل کا بناؤ، سرو سمن کا سنگھار

عارضِ گلگوں سے شوخ، رنگ گل سرخ کا
نشترِ مژگاں سے تیز، باغ کا ہر ایک خار

دھوپ کی زردی کا رنگ گنبدِ نیلی کا رنگ
دونوں ملے اس طرح، سبزہ ہوا آشکار

سایہ درختوں کا یوں صفحۂ گلزار پر
جس سے کہ عکسِ شبیہ، باغ کی ہو شرمسار

عکس فگن ہو کے شاخ دے یہ نظر کو فریب
دیدۂ نرگس میں ہے، سرمۂ دنبالہ دار

گرتے ہیں یوں شاخ سے پھول علی الاتصال
تار نظر سے نگاہ، گوندھ لے پھولوں کا ہار

دیکھ کے گلنار کو، کہنے لگا باغباں
پھولوں کا گہنا پہن، کہ نکل آئی بہار

برگ ہر اک سبز سبز پھول ہر اک سرخ سرخ
مرغ چمن شاخ شاخ، چہچہہ زن بار بار

مرغ چمن مل کے سب نغمہ سرا جس طرح
کوک دی ارگن کوئی، اور الاپے بہار

سامنے ہے مہر و مہ، دیکھئے صنع اللہ
جیسے دو آئینہ رو، ہوئیں کسی جا دوچار

ایک کو سکتہ سا ہے، ایک کو حیرت سی ہے
دیکھ کے ایک ایک کو، دونوں ہیں آئینہ دار

ایک کا منہ زرد ہے، ایک ہے بے نور سا
دیکھ کے گل کا سنگھار، اور چمن کا نکھار

رنگِ گل نیلوفر، گنبدِ نیلوفری
دیکھ کے گردش میں ہے، جیسے کوئی بیقرار

صبح کا عالم کچھ اور، شام کا عالم کچھ اور
صبح ہے کافور بیز، اور ہے شب مشکبار

صبح سنہری ورق، شام روپہلی ورق — فیضِ مہ و آفتاب، شام و سحر آشکار
رات کی وہ چاندنی، اور وہ گُلِ چاندنی — جس سے شبِ ماہ کی، ہوتی ہے دونی بہار
دیکھ کے گُل چاندنی، ہوتا ہے سب کو یقیں — چادرِ مہتاب کے، کترے ہیں گُل بے شمار
کرمکِ شب تاب کا، ہے یہ چمن میں ہجوم — تاروں بھری رات بھی، جس سے کہ ہو شرمسار
ہے گُلِ شبّو کی شاخ، شمعِ شب افروزِ باغ — اور یہ اس شمع کے، گرد ہیں پروانہ وار
باغ میں دیکھو جہاں، ان کی چمک ہے عیاں — آتشِ گُل سے مگر، اُڑتے ہیں پیہم شرار
ہے وسطِ گُل میں یہ، ان کے سبب سے ظہور — دائرے میں جیسے ہو، مرکزِ گُل آشکار
بسکہ ہر اک برگ پر، آگ سی ہے اک لگی — ہوتا ہے ہر نخل پر، سب کو گمانِ چنار
سارے چمن میں یہی، سرو و سمن میں یہی — دیدۂ نرگس میں نور، آتشِ گُل میں شرار
رات کی خاموشیاں، رات کی تاریکیاں — رات کی وہ راحتیں، صبح کا وہ انتظار
باغ کی آرائشیں، باغ کی زیبائشیں — موجِ ہوا تازہ کار، رنگِ شفق غازہ دار
نکہتِ گُل عنبر بیز، آتشِ گُل دود خیز — نکہتِ گُل عطر بار، آتشِ گُل شعلہ بار
بوئے گُل عنبر سرشت، سایۂ گُل مشک ناب — سنبلِ پیچاں کے پیچ، نافۂ مشکِ تتار
طبعِ چمن عطر ساز، موجِ ہوا کارساز — غالیۂ مشک و عود، مجمرِ دود بخار
دیکھئے جس نخل کو، باغ میں ہے بامراد — طفلِ شگوفہ کو سب کہتے ہیں ہے ہونہار

باغ کی کیفیتیں دیکھ کے ہیں وجد میں   چرخ و مہ و آفتاب انجم و لیل و نہار

فرش سے تا عرش جو شے ہے وہ حیران ہے

قابلِ نظّارہ ہے، قدرتِ پروردگار"

(عزیز لکھنوی)

۶۲۔ صحرا

سہانا سہانا وہ صحرا و بر   کہ کوسوں نہ انسان آئے نظر

وہ ٹھنڈی ہوا اور وہ جنگل کی دھوپ   وہ سبزی میں اک کوڑیالی یہ روپ

وہ گلہائے خوشبوئے صحرا تمام   کہ خوش ہوں جسے دیکھ کر خاص و عام

وہ چلکر کسی جا پہ کچھ آب کے   وہ چرتے ہوئے جوڑے سرخاب کے

وہ اک سمت پھرتے تھے سارس کے جفت   جو ہوئے شکاری پکڑ لائے مفت

درختوں پہ صحرا کے بیٹھے طیور   پر و بال سے جن کے بڑھتا تھا نور

صدائیں عجب تھیں عجب شور تھے   پپیہے کہیں تھے کہیں مور تھے

وہ جھاڑی ہر اک جا نئے ڈھنگ کی   وہ صحرا کی بوٹی نئے رنگ کی

وہ جھڑبیریوں کے ہر اک جا پہ جھاڑ   کسی جا خزاں اور کسی جا بہار

کسی جا پہ تال اور کسی جا پہ گاؤں
کسی جا پہ ٹھنڈی ببولوں کی چھاؤں
کسی جا پہ بن مالتی کے شجر
کہ جن بوسے تھی مست سب جانور
کہیں چیتے پاڑی چکارے ہرن
بھرا جانور ہائے صحرا سے بن
کہیں بھیڑیئے اور کہیں کچھ شغال
کہیں گینڈی جن کی بناتے ہیں ڈھال
کسی جا پہ چرتے ہوئے فیل مست
کہ ہوں کوہ جن کی بلندی سے پست

(مرزا شوق)

۶۳۔ صحرا

شہر کی گلیوں میں گھبراتا ہوں میں
دل کو بہلانے یہاں آتا ہوں میں
دل کی آسائش یہاں پاتا ہوں میں
تیری وسعت پر مٹا جاتا ہوں میں
گو نہیں مجھ کو جنوں سودا نہیں
تجھ سے بڑھ کر جا کہیں صحرا نہیں
شہر ہے میرے لئے دشتِ جنوں
دل کو واں حاصل نہیں ہوتا سکوں
شعلہ زن ہی آتشِ دُنیائے دوں
رکھتی ہے دل کو سدا سیماب گوں

آہ پر تیری نسیمِ خوشگوار
ہے مجھے سرمایۂ صبر و قرار

ہیں قریبِ شہر کچھ باغ و چمن بیگماں ہے دلکشا جن کی پھبن
ہیں شگفتہ ان میں نسرین و سمن طائرانِ خوشنوا ہیں نغمہ زن
بلبل و گل کے مگر جھگڑوں کی خار
پہلوئے تسکیں کو کرتے ہیں فگار

روبرو ہے ہر طرف ساری زمیں صاف آتا ہے نظر چرخِ بریں
آہ! جنگل کی فضائے دلنشیں کوہ و دریا کے مناظر ہیں کہیں
گھومتا ہے ہر طرف خطِ نظر
مرکزِ ادوارِ عالم ہے بشر

ہے ترا ہر فصل میں منظر نیا دیکھتا ہوں میں تجھے اکثر نیا
سبز جوڑا ہے کبھی تن پر نیا لالہ و گل کا کبھی زیور نیا
سال میں کیا کیا بدلتا رنگ ہے
اک سے اک بڑھ کر نکلتا رنگ ہے

تو ٹھکانا غم کے ماروں کے لئے امن کا گھر بیقراروں کے لئے

دل کی راحت دل فگاروں کے لئے　　الغرض ایسے ہزاروں کے لئے
دہر میں اک بے بدل ما وا ہی تو
جنت الماوا ہے یا صحرا ہی تو

(محروم)

۶۴۔ جنگل کی رات

جنگل کی اندھیری رات سنسان　　بادل بھی گھرا ہوا پریشان
جھوکوں میں غضب کی سنسناہٹ　　شاخوں میں رگڑ بلا کی آہٹ
پیڑوں کا وہ ہولناک انداز　　شیروں کی وہ خوفناک آواز
شعلوں کا وہ خود بخود دھڑکنا　　پتّوں کا وہ جابجا کھڑکنا
وہ بُوم کا ہو، وہ ہُو کا عالم　　وہ وہم کی صورتِ مجسّم
او حُسن وہاں بھی جلوہ گر تو
جُگنو بن کر اِدھر اُدھر تو

(شوق قدوائی)

۶۵۔ کوہِ ہمالیہ

ہے ہمالہ پہاڑ سرجیون   جس کے اوپر تلے کھڑے ہے بن
بیل بوٹوں سے بن رہا ہے چمن   سبز چوٹی ہرے بھرے دامن
ہے ہر اک ڈھلان اس کی پھلواری   سبز چشمے جہاں تہاں جاری
لالہ خود رو ہے اور اس کے پاس   لہلہاتی ہے خوبصورت گھاس
سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے   پیڑ باہم کھڑے ہوئے ہیں ملے
کہیں بن مالتا کہیں بیلا   کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے   سو رباؤں کا بن کے دنگل ہے
سرو شمشاد ہیں قطار قطار   ریچھ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
ہیں چٹانوں پہ کودتے لنگور   ایک ہی جست میں وہ پہنچے دُور
ہیں ترائی میں ہاتھیوں کے غول   کوئی پائل ہے اور کوئی کُنجھول
شیر خونخوار شاہ ہے یاں کا   پاڑھے چیتل کو خوف ہے جاں کا
بارہ سنگھے غریب پر ہے لتاڑ   سینگ ہیں اس کے جھاڑ اور جھنکاڑ
وہ جو ہے ہند کا بڑا ساگر   واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر

کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے — پھر ہمالہ پہ آکے چڑھتا ہے
کبھی دیتا ہے باندھ مینہ کا تار — کبھی کرتا ہے برف کی بھرمار
جا چڑھا یوں پہاڑ پر پانی — کی ہی قدرت نے کیا ہی آسانی
واں سے چشمے بہت اُبل نکلے — ندی نالے وہاں سے چل نکلے
سندھ و ستلج ہیں مغربی دریا — اور پورب میں مینھگنا گنگا
ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں — جن میں بہتا ہی پانی الغاروں
پس سمندر سے جو رسد آئی — یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی
ہوا سرسبز ہند کا میدان — تیری حکمت کے اے خدا قربان
ہند کی سرزمیں ہے اَنْ ماتا — اور ہمالہ پہاڑ جل داتا
اے ہمالہ پہاڑ تیری شان — دنگ رہ جائے دیکھکر انسان
ساری دنیا میں ہی تو ہی بالا — پہنچے جب پاس دیکھنے والا
سامنے اک سیاہ دل بادل — دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل
گھاٹیاں جن میں گونجتی ہی صدا — آبشاروں کا شور ہی برپا
دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے — گویا میدان کو ڈراتا ہے
ہی میرے دل میں یہ خیال آیا — کاش چوٹی پہ تیری چڑھ جاتا

واں سے نیچے کا دیکھنا میداں — جن میں گنگ و جمن ہیں تیز رواں
دو لکیریں سی وہ نظر آتیں — دائیں بائیں کو صاف لہراتیں
اس تماشے سے جبکہ جی بھرتا — تو شمالی طرف نظر کرتا
شام کو دیکھتا بہار بڑی — گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی
پھر وطن میں جب آن کر رہتا
دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

(اسمٰعیل)

۶۶- شملہ

اقبال اک برس جو مرا تاج سر ہوا — شملہ میں مجھکو موسمِ سرما بسر ہوا
جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے — اور جو تھمے ہوئے تھے وہ یخ ہو کے جم گئے
دامانِ کوہسار میں سورج بھی لیٹ کر — دبکا لحاف برف میں منہ کو لپیٹ کر
دیکھو جدھر کو سب در و دیوار تھے سفید — باہر چلو تو دامنِ کہسار تھے سفید
پتے تھے آگ جاڑے نے سب دور کر دیئے — اور تھے درخت برف نے بلور کر دیئے
اک رات بیٹھے بیٹھے جو میں تنگ آ گیا — گھر سے نکل کے آ گئے ٹہلتا چلا گیا

گھر گھر اُجالے تھے سرِ دیوار سامنے
دروازوں سے چراغ نمودار سامنے

خوشحال گھر اور ان میں خوشی بولتی ہوئی
باتیں کہ غم سے دل کی گرہ کھولتی ہوئی

تھے ہر طرف سے جاڑے کے ساماں پکارتے
تارے بھی اک کنارے سے تھے آنکھ مارتے

سنسان جنگل اور یہ درختوں کی سائیں سائیں
چاروں طرف پہاڑیں ہیں دوڑتی بلائیں

طوفانِ برف سر پہ کھڑا ہے تلا ہوا
سہمے یہ درہ کہ موت کا مُنہ ہے کھلا ہوا

تھی رات رنگ ابھی رُخِ عالم پہ پھیرتی
گہ مشک اُڑاتی تھی گہے عنبر بکھیرتی

کیا جانئے ہم نکل کے کدھر سے کدھر گئے
دیکھا کہ جاڑے زور سے اپنے اتر گئے

موسم بھی معتدل ہے ہوا ہے لہک گئی
خوشبو کا ہے یہ حال کہ دُنیا مہک گئی

اور جانور ہیں رات کے آواز دے رہے
رل مل کے ساتھ جیسے ہوں دمساز دے رہے

پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں آ رہیں
جو زیر و بم کے دُور سے ہیں سُر ملا رہیں

ناگہ فلک پہ دامنِ شب چاک ہو گیا
لبریز نور سے طبقِ خاک ہو گیا

منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا
گلگونہ لے کے سامنے رنگِ شفق ہوا

روئے سحر پہ شان تھی نور و ظہور کی
چاروں طرف وہ زمزمہ خوانی طیور کی

اور وہ ہری سبزیوں پہ گلِ تر کی لالیاں
اور اوس سے بھری ہوئی پھولوں کی پیالیاں

وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا
اور جھوم جھوم کر وہ رُخِ گل کا چومنا

سبزی جو ڈھکے خاک پہ مخمل بچھا گئی   شبنم تھی آ کے رات کو موتی لُٹا گئی
پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے جاتے تھے
پارے کے سانپ گھاس پہ لہرا کے جاتے تھے

(آزادؔ)

۶۷۔ روانیِ دریا

وہ سوداؔ سخن گوئے شیریں مقال   جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال
لکھی اس نے ہے نظم اک لاجواب   دکھائی ہے شکلِ روانیِ آب
جو بہتا ہے پانی میانِ لڈور   اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے   مُقفّیٰ کئے ان کے سب سلسلے
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسنؔ   کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانیِ دریائے فکر   کہ گو ہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہی نہیں ان کی اس پر نظر   کجا میں کجا سوڈیؔ نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں   نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں   وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق — ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں
مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا بر ملا — غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رُکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا
بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا — یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا — اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا — بگڑ کر وہ کف مُنہ پہ لاتا ہوا
وہ اُونچے سُروں میں تموج کا راگ — وہ خود جوش میں آ کے لانا یہ جھاگ
سُدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا — تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا

لپٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا — یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا — اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا — دباتا ہوا اور بچتا ہوا
وہ رُوئے زمیں کو چھپاتا ہوا — وہ حنا کی کو سیمی بناتا ہوا
گُل و خار یکساں سمجھتا ہوا — ہر اک سے برابر اُلجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا — ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا — نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
اُچکتا ہوا اور اُڑتا ہوا — اُمکتا ہوا اور مڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا — زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا — وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا — وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا
لپکتا ہوا دندناتا ہوا — اُمنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا — سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا — حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا — شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

وہ سودی کا سیلاب آب لذور

یہ بحر خیالات اکبر کا زور

(اکبر)

۶۸۔ گنگا جی

منظور نہیں ہے خوش بیانی گنگا کی دکھاؤں گا روانی

گؤمکھ سے وہ آپ چل پڑی ہی بیساختہ خود نکل پڑی ہی

کیا فیض رساں ہیں اس کی لہریں جاری کر دیں تمام نہریں

کیا خوب ہی آن بان اس کی ساحل پہ بھی ایک شان اس کی

پہلو میں کہیں بتوں کا جمگٹ ہے رشک ارم کہیں پہ پنگھٹ

جاتی ہے جدھر کو منہ اُٹھائے لاکھوں ہی کھڑی ہیں سر جھکائے

تیار ہے کوئی بہر اشنان پوجا کے لیے ہی کوئی حیران

سیندور کوئی ماتھے پر لگائے چندن کی کوئی تلک جمائے

سر کوئی زمیں پہ دھر رہا ہے ڈنڈوت ہی کوئی کر رہا ہے

کچھ سیر کو لوگ آرہے ہیں — منظر کا مزہ اُٹھا رہے ہیں
ہے دل کو سُرور آنکھ کو نور — گویا ہے اس میں سُرمۂ طور
نیچر کا عجیب کھیل دیکھا — گنگا جمنا کا میل دیکھا
عاجز اس کے بیاں سے تحریر — ہوتے ہیں جہاں بہم بغلگیر
القصہ بڑھا یہاں سے پانی — اب قابلِ ذکر ہے روانی
اُچھلا کبھی دَب کے سر اُٹھایا — اُبلا کہیں تھم کے سنسنایا
چلنا وہ کہیں مچل مچل کر — بہنا وہ کہیں سنبھل سنبھل کر
وہ شوکت و دبدبہ وصولت — وہ رُعب وہ داب اور سطوت
دب کر جانا کہیں دبانا — انداز و ادا کہیں دکھانا
دامن کو کہیں جھٹک کے چلنا — ساحل پہ کہیں مٹک کے چلنا
مڑتا ہی جہاں تو چھب دکھا کر — اُڑتا ہے جہاں غضب میں آکر
نکلا ہی جہاں تہاں پہ ہو کر — دھکّا ہے کہیں کسی کو ٹھوکر
بیخوف و نڈر وہ شوخ بیباک — آزاد شریر و چست و چالاک

جلوہ ہر رنگ میں دکھایا
آیا جو سامنے بہایا

(ناتمام)

۴۹۔ دریائے بیاس

اے بیاس اے دلبرِ نازک ادائے کوہسار — حُسن کی تیرے منالی میں کوئی دیکھے بہار
وہ تری سیماب گوں رنگت وہ جوبن کا نکھار — وہ تری مستانہ موجیں اور وہ جوشِ آبشار

روح را در وجد می آرد صدائے سازِ تو
دل بغارت مے برد طرزِ خرامِ نازِ تو

گنبدِ گردوں سے ٹکرائے پہاڑوں کو وہ سر — ہر طرف چھائے ہوئے ابرِ سیہ بن کر شجر
دُور سے یوں چوٹیوں پر برف آتا ہے نظر — نور کے تڑکے ہو جیسے چاکِ دامانِ سحر

خندۂ دنداں نمائے شاہدِ رعناست ایں
یا بیاضِ روئے حورِ جنت الماواست ایں

اے عروسِ کوہ اے محبوبۂ زیبا نگار — چھینے لیتی ہے دلوں کو تیرے جوبن کی بہار
تیری سبزہ کی کھِلی جاتی ہے آنکھوں میں بہار — لالۂ گل سے ترے شانِ خدا ہے آشکار

دلبرے با ایں چنیں خوبی کسے کم دیدہ است
سبزۂ مثلِ خطِ سبزِ تو کم روئیدہ است

وہ طرارے بھر کے بامِ کوہ سے آنا ترا — لڑکھڑا کر پتھروں سے وہ مچل جانا ترا

منہ میں مستوں کی طرح وہ جھاگ بھر لانا ترا — وہ مزاجِ نوجواں کی طرح بل کھانا ترا

مست و بیخود از غمِ ہر دو جہاں آزادہٗ
گرچہ معشوقی چو عاشق سر بہ صحرا دادہٗ

وہ سہانا دامنِ دشت اور وہ طرفِ کوہسار — جھنڈ وہ تیرے درختوں کے وہ تیرا سبزہ زار
اونچے اونچے وہ کنارے بیچ میں پانی کی دھار — جس طرح آغوشِ عاشق میں کوئی زیبا نگار

حُسن را با عشق گوئی شیر و شکر کردہ اند
مہر خم بشکستہ اند و مے بساغر کردہ اند

دامنِ کہسار میں ہی شور تیرے ساز کا — گونجتا ہی دشت میں کھٹکا تری آواز کا
تیری موجوں میں ہے سنّاٹا پرِ پرواز کا — تیرے گردابوں میں عالم ہے طلسمِ راز کا

ہر چہ ہستی خوب ہستی ای نگارِ شوخ و شنگ
رنگ رخ بشکستہ پیشت سادہ رویانِ فرنگ

دامنِ صحرا میں کوہوں کی تری اٹھکھیلیاں — سبزۂ تر پر وہ تیری چادرِ آبِ رواں
وہ کناروں پر مسلسل دونوں جانب جھاڑیاں — لہلہاتی دھان کی کوسوں تلک وہ کھیتیاں

نخلہا صف بستہ بر ساحل پئے دیدار تو
شاخہا خم گشتہ بہر بوسۂ رخسار تو

بلاؤں
چاندنی رات اور نکھرنا تیرا وہ بنکر دلھن — چاند تارے کا تنِ سیمیں پہ تیرے پیرہن
چاند کا ٹیکہ وہ اور تاروں کی افشاں کی پھبن — وہ جھمکڑا نور کا اور وہ بھبوکا سا بدن

کرمکِ شب تاب ساحل را چراغاں کردہ است
آتش بید و گلبن را گلستاں کردہ است

جلوۂ نورِ سحر اور وہ طلوع آفتاب — وہ چمک کرنوں کی وہ چہرے کی تیرے آب و تاب
وہ قبا استبرقی پہنے ہوئے ہر موجِ آب — وہ لیے تصویر سورج کی بغل میں ہر حباب

روشن از نورِ رخت دامانِ صحرا گشتہ است
موج حسن است این کہ متحرک بہ دریا گشتہ است

جھومتے بادِ سحر سے ہیں ترے بید چنار — آسماں سے کرتے ہیں باتیں درختانِ دیار
ہیں عیاں جھیلوں سے شانِ قامتِ رعنائے یار — کم نہیں خوشبو میں کچھ صندل سے تیرے دیودار

آبشارت نغمہ سنج و لالہ زارت جلوہ ریز
نخلہایت عنبر افشان و ہوایت عطر بیز

وہ گلاب اور سیوتی کے پھولوں سے لدے — وہ چنبیلی کی قطاریں اور وہ بیلے کے پرے
پھول گیندے کے نہیں سبزہ تر میں کھلے — ہیں سنہری گوکھرو دھانی دوپٹہ میں ٹنکے

ایں ہمہ ہا گشت از فیضِ عمیمت بہرہ یاب
اکتسابِ نور کردہ ذرہ ہا از آفتاب

وہ ترے ساحل سی نظارے فضائے دشت کے
وہ پہاڑوں کے برابر نیچے اونچے سلسلے

برف کی چادر وہ اونچی چوٹیاں اوڑھے ہوئے
اور نشیبی سلسلے وہ سبزۂ تر سے ڈھکے

سر برآوردہ ز سبزہ خانہ ہائے خوش نما
ہمچو محبوبے کہ برآرد سر از زیرِ ردا

(کامل)

۷۰۔ طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

او نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا
الٹا ہی تو نے تختہ یارانِ آشنا کا

اچھا کیا ادا حق ہمسائیگی کا تو نے
ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا

اک کاروانِ آصف اترا ترے کنارے
او ناسپاس تو نے ڈالا اسی پہ ڈاکا

تیری ہر ایک ٹکر داعی بنی اجل کی
تیرا ہر اک تھپیڑا قاصد بنا قضا کا

منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر
سر پر ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا

تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے
مورد ہوا خدا کیوں الزام نارواکا

شب ہے نہایت دن ہے حساب کا دن — وقت آگیا سزا کا عہد آگیا جزا کا
خالی امید کا گھر دروازہ توبہ کا بند — آئے اثر کہاں سے موقع نہیں دعا کا

اس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہیگا
کانٹا ہر ایک دل میں غم کا چبھا رہیگا

امڈی ہوئی ہے ندی چھایا ہوا ہے بادل — پاٹا اس قدر بڑا ہے سب ہو گیا ہے جل تھل
ہے شب نہ دن وہ ہاڑے اندھیر ڈال رکھا — خورشید خاوری ہے ابر سیہ کے اوجھل
اک بارگی گئے کھل گردوں کے سب دریچے — بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول
قدرت کی طاقتوں کو دستِ قضا ہے روکے — انساں کی کوششیں ہیں بیکار و در معطل
غصہ کا ہے یہ عالم کٹ وہ رہا ہے دریا — وقفِ شکن ہے ابر ڈھاتے ہیں پٹ پل
جوش و خروش اس کا ہر لحظہ بڑھ رہا ہے — سہمی ہوئی ہے خلقت ہوش و حواس ہیں شل
ساحل پہ گھر ہیں جنکے وہ دل میں کہہ رہے ہیں — مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اوّل
پانی ہر اک طرف سے گھیرے ہوئے ہے گھر کو — جاں تلملا رہی ہے دل ہو رہا ہے بیکل
گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب — ہے آج کوچ اپنا ساماں چلا گیا کل
ہر سر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں — ملبہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل
واں موجبِ اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی — یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کا چنگل

محشر کا صور پھونکتا موسیٰ ندی کو بکو ہے
شورِ نشور برپا بلدہ میں کو بکو ہے

واحسرتا وہ صدہا گھر بار کا اُجڑنا
ہر نخلِ آرزو کی بنیاد کا اکھڑنا

وہ نقشۂ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا
کوہِ قضا کا سر پر پل بھر میں ٹوٹ پڑنا

دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا
سنگیں عمارتوں کا پانی کی طرح جھڑنا

وہ جسم بے اماں کا موجوں کی نذر ہونا
وہ جانِ ناتواں کا کشتی قضا سے لڑنا

اس ہاتھ کا نہیں ہے جس میں کہ جان باقی
بہتے ہوئے درختوں کی ٹہنیاں پکڑنا

ماں سے لپٹ لپٹ کر بچے کا وہ بلکنا
اور ضد سے اس کے سینے پہ ایڑیاں رگڑنا

بچے کا ہاتھ آکر پھر ماں سے چھوٹ جانا
زخمِ جگر کے ٹانکوں کا ایک بیک اکھڑنا

سب دل کے ولولوں کا پیوندِ آب ہونا
اک رات کی دلہن کا نوشہ سے یوں بچھڑنا

وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا
اور ان کی حسرتوں کا جا کر دلوں میں گڑنا

تھا فتنۂ قیامت اے سیلِ رودِ موسیٰ
بن کر ترا مچلنا بن کر ترا بگڑنا

کیوں ساتھ ساتھ اپنے لیکر چلا نہ ہم کو
جو قافلہ چلا ہے سرِ منزلِ عدم کو

(ظفر علیخان)

۱۷۔ آبشار

پسرِ تنہا اے کوہ و صحرا کے مسافر آبشار
ٹھوکریں کھاتا ہوا کس جا چلا ہے بے قرار

کیوں سراسیمہ ہے کیوں یہ لڑکھڑاتی چال ہے
سیلِ اشکِ چشمِ تر کی طرح کیوں پامال ہے

تیرے دامن میں ہے دلکش سبزہ و گل کی بہار
میٹھی میٹھی بولیاں اور بلبلانِ کوہسار

دشت میں جاری ہیں ہر سو نہریں تیرے فیض کی
ذات تیری بہرِ صحرا وجہِ شادابی ہوئی

چشمۂ حیواں ہے تو تشنہ دہانوں کے لیے
اور ہے رشکِ مسیح افسردہ جانوں کیلیے

سیل جو تیری ہے وہ چینِ جبینِ حور ہے
تجھکو سب حاصل ہے پھر تو کس لیے رنجور ہے

ہائے کیوں پتھر سے ٹکراتا ہے سر کو بار بار
خاک پر تو لوٹ کر کیوں ہو رہا ہے بیقرار

رات دن تجھ کو تلاشِ بحرِ الفت تو نہیں
تو بھی میری طرح قیدِ بندِ آفت تو نہیں

تو کہاں یہ جستجو سے بحرِ بے پایاں کہاں
دشت پیمائی بقدرِ جوششِ ارماں کہاں

آرزومندِ وصلِ بحرِ ناپیدا کنار
این خیال است و محال است و جنوں اے آبشار

(شباب)

جلد اول

۷۲۔ آبشار

اونچے نیچے پہاڑ ٹیلے پھیلے ہوئے گول اور نکیلے
ٹیڑھے سیدھے نہال ان پر نازک بیلوں کے جال ان پر
بہنا کہیں اور کہیں ٹپکنا خورشید کے نور سے چمکنا
شفاف وہ دھار اور وہ پتھر نکلی ہوئی مانگ جیسے سر پر
چوٹی پہ وہ برف کی صفائی چمکی جب دھوپ اُس پر آئی
ضو جنبشِ مہر سے عیاں تھی کیا کوند رہی ہیں بجلیاں سی

برف اس کی پگھل کے بہ رہی ہے
چاندی گل گل کے بہ رہی ہے

(شوق قدوائی)

۷۳۔ فوّارہ

میرے فوارے عجب دلچسپ ہے تیرا سماں
یہ تری طبع رواں اور یہ ترا جوشِ نہاں

رات دن سانچے میں وہ موتی یہ موتی ڈھالنا
مہوشانِ باغِ رضوان پر وہ ڈوڑے ڈالنا

گوہر افشانی تری اور ہلکی ہلکی وہ پھوار
وہ شبابِ بلبل و گُل اور وہ تیرا نکھار

وہ اکڑ کر دیکھنا اپنی جوانی کی بہار
وہ ترا انگڑائیاں لینا چمن میں بار بار

مضطرب موجِ ہوا پر تو بہت بیتاب ہے
تیری دھاریں جھومتی ہیں یا کہ نخلِ آب ہے

تو چمن کی روح ہے اور ہے فضا میں تیرا دور
اِک بہارِ شادمانی ہے ہوا میں تیرا دور

طائر آتے ہیں ترے دامن میں پر کھولے ہوئے
عاشقِ شوریں سر بیٹھے ہیں سر کھولے ہوئے

تیرے دستِ گوہر افشاں کی یہ حالت دیکھ کر
جھولیاں گلشن نے پھیلا دیں سخاوت دیکھ کر

گوندھنا موجِ ہوا پر موتیوں کے ہار کا
تیرے سر سہرا رہا ہی رونقِ گلزار کا

تیز ہو ہاں میرے فوّارے ذرا پھر تیز ہو
پھر جواہر خیز و گوہر بیز و گوہر ریز ہو

آتشِ گل کا جہاں کچھ بھی اشارا ہوگیا
اُڑ گیا موجِ ہوا پر یوں کہ پارا ہوگیا

تیرا جو قطرہ گیا گردوں پہ تارا ہوگیا
جب گرا آکر زمیں پر دل ہمارا ہوگیا

سب غبارِ خاطرِ ناشاد تجھ سے دھل گیا
تیرا منظر اِک طلسمِ دلفریبی ہوگیا

(عزیز لکھنوی)

۴۷۔ تتلیاں

پر کھول کے تتلیوں کی پرواز — پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز
اِس پھول سے اُڑ کے اُس پہ بیٹھیں — رس لے کے اُڑیں وہ جس پہ بیٹھیں
نازک نازک وہ خوشنما پر — اُڑتی ہوئی پتّیاں ہَوا پر
وہ نقش و نگار اور وہ بوٹے — پر اُن کے چھوؤ تو رنگ چھوٹے
رنگ اِن میں بہت ملے ہوئے ہیں — پر کیا ہیں چمن کھلے ہوئے ہیں
ہیں رنگ کئی ہر ایک پر پر — چھوٹا سا چمن ہے ان کا ہر پر
ہر خال ہے پر پہ اک نگینہ — سونے چاندی پہ یا ہے مینا
قدرت دیکھو کہ کل چمن میں — گلدستے ہیں تتلیوں کے تن میں
جو نقش و نگار سے ہے خالی — وہ بھی دل کی لُبھانے والی
ہے رنگ کسی کا زرد گہرا — اتنا گہرا کہ بس سنہرا
کوئی جس کے سپید ہیں پر — جیسے چاندی کے صاف پتّر
طاؤسی، صندلی، گلابی — دھانی، کاہی، سیاہ، آبی
نیلے، اودے، زمردی، لال — ہر رنگ کے پر ہیں بے خط و خال

پرواز بھی حسن ہے پھبن بھی
رنگت بھی ہے حسن سادہ پن بھی

(شوقؔ قدوائی)

۷۵۔ تتلی

تتلی ہے چمن میں اک رنگیلی　　پیاری چنچل نئی نویلی
چلتے پھرتے چمن میں ہر سو　　اُڑتی ہوئی پہنچی تا لبِ جو
چپہ چپہ چمن کا پامال　　مانند شرار و برق تمثال
منظورِ نظر کلی کلی ہے　　ہر ایک روش پہ بیکلی ہے
سبزے پہ کبھی نہال پر ہے　　گل پر کبھی شاخ پر نظر ہے
غنچوں کی بنی کبھی تو دمساز　　نکہت کی طرح کبھی ہے پرواز

قابو میں نہیں جو قلبِ مضطر
یکجا نہیں ہے قرار دم بھر

(سفیںؔ)

۷۶ - تیتریاں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں　　اِک آن میں سو طرف کو پھرتی دیکھیں
بھولی خوش رنگ چست نازک پیاری　　پہنے ہوئے فطرتی منقّش ساری
پھرتی ہی کہ برق کی طبیعت کا اُبھار　　تیزی ہی کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم　　وہ بھی ہی بلا زیادت و کم قائم
گو تابع جوشش برق پروازی ہیں　　دونوں کے خطوط لیک متوازی ہیں
کیونکر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے　　اللہ اللہ کیا ہنرمندی ہے
کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں　　پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اِس سمت اگر خیال انساں بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگ عرفاں چڑھ جائے

(اکبر)

۷۷۔ بلبلِ زمزمہ ساز

میں ہوں چہکنے والی بلبل ہے نام میرا
پھولوں کو دیکھنا ہے گلشن میں کام میرا
چھوٹا سا ایک پنچھی ہوں دیکھنے میں لیکن
رونق نہیں ہے کچھ بھی صحنِ چمن میں مجھ بن
ہوں شاخِ گل پہ اپنا میں آشیاں بناتی
شام و سحر گلوں کو ہوں گیت میں سناتی
گل میرے زمزموں پر جب کان ہیں لگاتے
سُن سُن کے میرا گانا پھولے نہیں سماتے
بخشی صدا سُریلی مجھ کو مرے خدا نے
بھاتے ہیں آدمی کو دل سے مرے ترانے

(محروم)

۷۸۔ چڑیاں

چڑیوں کا اِدھر اُدھر سے آنا
چھوٹے چھوٹے پھلوں کو کھانا
کچھ سبز ہیں جن کے لال سر ہیں
کچھ زرد سنہری جن کے پر ہیں
کچھ جن میں سپیدی اور سیاہی
کچھ جن کے سروں پہ تاجِ شاہی
کچھ جن کے زمرّدی ہیں پوٹے
نقطے بوٹوں پہ چھوٹے چھوٹے

مداکول

پانی میں اِدھر اُدھر نہا کر | بیٹھیں شاخوں پہ پر پھیلا کر
مینا کہیں غُل مچا رہی ہے | بُلبُل کہیں بیٹھی گا رہی ہے
طوطی پیارا زبان شیریں | لہجہ شیریں بیان شیریں
شاماں کی صدا سے روح بے چین | چنڈول جو بولے دل نہ لے چین
دہیر کیا خوب نغمہ خواں ہے | بھنگراج ہزار داستاں ہے
رفتار تدرو بانکپن کی | تصویر کھنچی ہوئی پھبن کی

ہر شکل کے ساتھ جلوہ گر حسن
جو کچھ ہے وہ قصہ مختصر حسن

(شوق قدوائی)

۷۹ - مور

طاؤس کا رقص میں وہ آنا | آواز سے کرنا بجانا
وہ تاج زمرّدی سروں پر | سونا سا چڑھا ہوا پروں پر
دُم کا پھیلاؤ حسن کی شان | گردن کا تناؤ حسن کی شان
ہر پر میں اُداہٹ اور سیاہی | اِس میں پھر رنگ سبز کاہی

کیا لطف دکھا رہی ہے زردی کیا خوب ہے رنگ لاجوردی
زردی کی چمک سے بڑھی شان سبزی میں چمک سی پڑ گئی جان
پکھراج اِس میں زبرجد اسمیں کندن کا جڑاؤ بے حد اسمیں
چلنے پھرنے میں دُم پڑی ہے
رقصاں ہے تو پھیلی ہے کھڑی ہے

(شوق قدوائی)

۸۰- مور

کیا مور ہے بنایا پروردگار تو نے بخشے ہیں اس کو کیا کیا نقش و نگار تو نے
گویا کہ بال و پر میں گلزار کھل رہا ہے جو بیل ہے نرالی بوٹا جو ہے نیا ہے
یہ پھول ہیں شگفتہ تن پر جو داغ ہیں چنکر یہاں لگائے قدرت نے باغ سے ہیں
یہ تاج اس کے سر پر کیسا ہے یا الٰہی بخشی ہے تو نے اِس کو گلشن کی بادشاہی
جھم جھم برس چکا ہو سبزہ پہ جب کہ پانی ہوتی ہے اِس کے دل کو اُسوقت شادمانی
دل شاد ہو کے بولی تب اپنی بولتا ہے پر ناچنے کے خاطر اُس وقت کھولتا ہے
دُم کو چنور بنا کر ہے ناچتا خوشی سے ہے اپنے دوستوں کو دیتا صدا خوشی سے

اوّل
جس وقت باری باری ہیں یا چنچ پہ آتے
جنگل میں مل ملا کر منگل ہیں پھر مناتے

(محروم)

۸۱- کبوتر

تن تن کے ترا زمیں پہ چلنا
ٹھوکر کبھی کھا کے خود سنبھلنا

انداز سے پاؤں کو اُٹھانا
چلنے میں ادا سے تلملانا

مخمور حسین چلبلی آنکھ
پیاری پیاری وہ شربتی آنکھ

مہندی ترے پاؤں میں لگی ہے
ہر ایک ادا میں دلبری ہے

صورت بھی عجیب ہے بھولی بھالی
انداز نیا ادا نرالی

گردن کو وہ ناز سے اُٹھانا
وہ دلکش و دل رُبا ترانہ

آواز وہ خوشگوار تیری
گردن وہ صراحی دار تیری

چھوٹی سی سفید و سرخ منقار
آجاتا ہے دیکھ کر جسے پیار

وہ جسم میں خوشگوار گرمی
وہ حسن وہ نازکی وہ نرمی

بچوں کا وہ پیار سے کھلانا
چلنا پھرنا انھیں سکھانا

وہ شفقتِ فطرتی کا اظہار
منقار میں ڈالنی وہ منقار
بازو کی بیان کیا ہو طاقت
عاشق کی بندھی ہو جس سے قسمت
آنکھوں میں تری جبیں کا بوسہ
قاصد ہی تو یارِ مہ جبیں کا
کیونکر نہ تری ہو دل میں توقیر
ہی ذات تری وفا کی تصویر
دل میں ترے نورِ حق سمایا
دشمن سے رسول کو بچایا
کعبہ کا طواف تجھ کو حاصل ہے
ہی حق کی طرف تو صاف مائل

پایا ہی ضرور تو نے ایماں
لازم ہی کہوں تجھے مسلماں

(محمد عبدالرشید نازلی پوری)

۸۲ - قمری

ہم نے قمری عجیب پالی ہے
عاشقِ حسن لایزالی ہے
کیا ہی نازوں سے اس کو پالا ہی
قفسِ نقرئی میں ڈالا ہے
جب میں پنجرے کے پاس جاتا ہوں
پیار سے ہاتھ پر بٹھاتا ہوں
پیاری پیاری وہ نور کی گردن
جس پہ قربان حور کی گردن

جلد اوّل

وہ گلا خوشنما صراحی دار — چاہتا ہوں کہ کر لوں کھینچ کے پیار
لال لال اس کی نرگسِ گلفام — یا بھرا ہے شرابِ سرخ کا جام
اس پہ طرّہ ہے سرخیِ منقار — گل سمجھ کے نہ کر لے بلبل پیار
رنگِ منقار ارغوان یکسر — یا دھری پان کی ہے ہونٹوں پر
یا کوئی ناخنِ حنائی ہے یہ — ہائے کیا سرخ چونچ پائی ہے
کبھی سرکش گلِ چمن کی طرح — سرنگوں ہے کبھی دلہن کی طرح
زیب و زینت ہی اس کو آن بنی ہے — سادگی میں ہزار جوبن ہے
جسم نقرہ صفت تمام سپید — صاف برّاق رنگ قابلِ دید
ہے صدا اس کی مونسِ دلِ زار — ہے تصدّق ہزار صوت ہزار
ہائے وہ اس کی مست کن آواز — گویا بابِ سماع ہو گیا باز
گیت توحید کا سناتی ہے — راہِ حق کی طرف بلاتی ہے
بس ہے حق سرّہٗ سے کام اسے — ورد اللہ کا ہے نام اسے
ضربِ نامِ خدا لگاتی ہے — دل تو ننھا سا اور یہ چھاتی ہے
شور کرتی ہے غل مچاتی ہے — جب کبھی تھک کے بیٹھ جاتی ہے
مضطرب ہو کے پھر کلپتی ہے — چونچ گھٹ گھٹ زمیں پہ مارتی ہے

نعرۂ حق سے دل ہلاتی ہے
کہہ کے حق سرہٗ کو جگاتی ہے

(امجد)

۸۳۔ ابابیل

جان ہے ننھی سی تو ننھی تری آواز ہے — ننھے ننھے بال و پر ننھا ترا انداز ہے
آنکھ میں تیری لگا ہے سرمۂ دنبالہ دار — زلف ہے مشکیں تری کالی تری پشواز ہے
سقفِ دیرینہ میں ننھا سا نشیمن ہے ترا — گو فلک تک صبحدم تو مائلِ پرواز ہے
قوم کو تیری نہیں ہے مال و دولت کی ہوس — ہر کس و ناکس تمہارا خانہ برانداز ہے
آبِ دریا سے بھلا بجھتی نہیں کیا تیری پیاس — ابرِ نیساں کے مقابل تو جو رو انداز ہے
بازوؤں کو تیرے دم بھر بھی نہیں ملتا سکوں — برق ہے اس میں بھری یا اور کوئی راز ہے
ہے تڑپ تجھ میں بلا کی ہو بہو سیماب ہے — نگہِ افسوں ساز سے ملتا ترا انداز ہے

تیری حالت میں کبھی دیکھا نہیں دنیا نے فرق
تیرا یکساں کہتے ہیں انجام اور آغاز ہے

(سید نور اللہ شاہ)

۸۴ - چڑیا کے بچے

دو تین چھوٹے بچے چڑیا کے گھونسلے میں
چپ چاپ لگ رہے ہیں سینہ سے اپنی ماں کے

چڑیا نے مامتا سے پھیلا کے دونوں بازو
اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھک لیا ہے

اس طرح روز مرہ کرتی ہے ماں حفاظت
سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم ان کو

لیکن چڑا گیا ہے دانا تلاش کرنے
دانا کہیں کہیں سے پوٹے میں اپنے بھر کر

جب لائیگا تو بچے منہ کھول دینگے جھٹ پٹ
ان کو بھرائیگا وہ ماں اور باپ دونوں

بچوں کی پرورش میں مصروف ہیں برابر
اور چھوٹے بچے خوش ہیں تکلیف کچھ نہیں ہے

اے چھوٹے چھوٹے بچو تم اونچے گھونسلے سے
ہرگز نہیں گروگے۔ پر اور پرنے اب تک

نکلے نہیں تمہارے اس واسطے ابھی تم
اونچے نہ اڑ سکوگے۔ ہاں جب تمہارے بازو

اور پر درست ہونگے۔ تو دن کی روشنی میں
سیکھوگے تم بھی اڑنا کرتے پھروگے چیں چیں

اڑتے پھروگے پھر پھر اے چھوٹے بچو لیکن
کوّا بری بلا ہے اس سے خدا بچائے

(اسمٰعیل)

۸۵۔ کوّا

کوّے ہیں سب دیکھے بھالے
چونچ بھی کالی پر بھی کالے

کالی کالی وردی سب کی
اچھّی خاصی اِن کے ڈھب کی

کالی سینا کے ہیں سپاہی
ایک سی صورت ایک سیاہی

لیکن ہے آواز بُری سی
کان میں جا لگتی ہے چھُری سی

یوں تو ہے کوّا حرص کا بندہ
کچھ نہ چھوڑے پاک نہ گندہ

اچھّی ہے پر اس کی یہ عادت
بھائیوں کی کرتا ہے دعوت

کوئی ذرا سی چیز جو پا لے
کھائے نہ جب تک سب کو بُلا لے

کھانے دانے پر ہے گرتا
پیٹ کے کارن گھر گھر پھرتا

دیکھ لو وہ دیوار پہ بیٹھا
غلّہ کی ہے مار پہ بیٹھا

کیوں کر باندھوں اس پہ نشانہ
بے صبرا چوکنّا سیانا

کائیں کائیں ہیں کیسا پیارے
کرتا ہے یہ بھوک کے مارے

تاک رہا ہے کونا کھترا
کچھ دیکھا تو نیچے اُترا

اِس کو بس آتا ہے اُچھلنا
جانے کیا دو پاؤں سے چلنا

اُچھلا، کودا، لپکا، سٹکا
ہاتھ میں تھا بچّے کے ٹکڑا

آنکھ بچا کر جھپٹ لے بھاگا — واہ رے تیری پھرتی کاگا
ہا ہا کرتے رہ گئے گھر کے — یہ جا وہ جا چونچ میں بھر کے
پیڑ پہ تھا چڑیا کا بسیرا — اس کو ظالم نے جا گھیرا
ہاتھ لگا چھوٹا سا بچہ — تو جا بیٹھا اڑا کھا گیا کچا
چڑیا رو رو جان ہے کھوتی — ہے ظالم کی جان کو روتی
چیں چیں چیں چیں دے کے دہائی — اپنی بپتا سب کو سنائی
کون ہے جو فریاد کو پہنچے — بیچاری کی داد کو پہنچے
پکنے پر جب مکّا آئی — کوّوں نے جا لوٹ مچائی
دودھیا بھٹا چونچ سے چیرا — بیچ بیچ کا ہے اٹھائی گیرا
رکھوالے نے پائی آہٹ — گوپھن لے کر اٹھا جھٹ پٹ
ہیریا ہیریا شور مچا کر — ڈھیلا مارا تڑ سے گھما کر
سن کے تڑاقا کوّا بھاگا — تھوڑی دیر میں پھر جا لاگا
لالچ خور ڈھیٹ نڈر ہے — ڈاکو سے کچھ اس میں کسر ہے

ڈاکو ہے یا چور اچکّا
پر ہے اپنی دھن کا پکّا

تمام شد

مناظرِ قدرت

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحبان سے مُطلع فرمائینگے تو باعث شکوری ہو گا۔ اُمید کہ طبعِ ثانی میں کل حالات مکمل ہو جائینگے

۱ آتش خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت وطن لکھنؤ وفات ۱۲۶۳ھ مدفن لکھنؤ صفحہ

(۴۷) جوشِ بہار ۷۹

۲- آزاد: سیّد محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور صفحہ

(۱۳) خوشا وقتِ شام ۱۷

(۱۶) شام کی آمد اور رات کی کیفیت ۲۳

(۳۲) ابرِ کرم ۵۰

(۳۵) شبِ ابر ۵۵

(۳۹) شبِ سرما ۶۷

(۴۱) موسمِ خزاں ۷۰

(۵۱) شبِ گرما ۸۶

(۵۸) باغ ۱۰۳

(۶۶) شملہ ۱۱۷

۳- اسمٰعیل:- مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

(۶) نسیمِ سحر ۷

(۸) صبح کی آمد ۹

صفحہ

(۱۴) شفق ۲۱
(۱۵) شام کا جھٹ پٹا ۲۲
(۱۷) رات ۳۰
(۱۸) خوابِ راحت ۳۱
(۱۹) آسمان اور ستارے ۳۴
(۲۰) تاروں بھری رات ۳۶
(۲۵) برسات ۴۴
(۴۸) بادِ مُراد ۷۹
(۵۰) گرمی کا موسم ۸۵
(۵۲) جاڑا اور گرمی ۸۸
(۵۳) خدا کی صنعت ۹۲
(۵۴) خدا کی کاریگری ۹۵
(۶۵) کوہ ہمالیہ ۱۱۵
(۸۴) چڑیا کے بچّے ۱۴۴
(۸۵) کوّا ۱۴۵

۴- اقبال: ڈاکٹر شیخ محمد اقبال — صفحہ

ولادت ۱۸۷۶ء وطن سیالکوٹ

(۵۶) کنجِ عزلت ۹۸

۵- اکبر: سید اکبر حسین صاحب

ولادت ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد

(۴) نمازِ جمعہ ۵
(۶۷) روانیِ دریا ۱۱۹
(۷۹) تیتریاں ۱۳۶

۶- امجد: سید امجد حسین صاحب

ولادت وطن حیدرآباد دکن

(۸۲) قمری ۱۴۱

۷- امیر: منشی امیر احمد مینائی مرحوم

ولادت ۱۲۴۴ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۳۱۸ھ مدفن حیدرآباد دکن

(۲۹) فضائے برشکال ۴۷

۸- انشا : انشاء اللہ خاں مرحوم صفحہ

ولادت وطن دہلی وفات ۱۲۳۳ مدفن لکھنؤ

(۳۰) ابر کی آمد ۴۸

(۴۶) بہار ۷۸

۹- انیس : میر ببر علی مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ وطن دلّی وفات ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

(۱) نورِ ظہور کا وقت ۱

(۲) نمودِ صُبح ۳

۱۰- اوج : محمد یعقوب صاحب گیاوی

ولادت ۱۸۸۳ء وطن

(۲۱) چاندنی ۳۸

(۴۴) صُبحِ بہار ۷۵

۱۱- جلال مُرادآبادی : قاضی جلال الدین صاحب

ولادت وطن مرادآباد

(۲۶) برسات ۴۵

۱۲- حالی : خواجہ الطاف حسین مرحوم صفحہ
ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت
(۲۳) برکھا رت ۳۹
(۴۹) گرمی کا موسم ۸۳
۱۳- ذاکر:
ولادت وطن
(۵) صبح چمن ۶
۱۴- سرور جہان آبادی: منشی درگا سہائے انجہانی
ولادت وطن وفات مدفن
(۲۸) فضائے برشگال ۴۷
۱۵- سفیر:
ولادت وطن
(۷۵) تتلی ۱۳۵
۱۶- سودا : مرزا محمد رفیع مرحوم
ولادت ۱۱۲۵ھ وطن دلّی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنؤ

صفحہ

(۳۸) جاڑے کا موسم ۵۶

۱۷- سیّد نور اللہ شاہ صاحب

ولادت　　　وطن

(۸۳) ابابیل ۱۳۴

۱۸- شباب : محمد سیف الدین صاحب

ولادت　　　وطن

(۷۱) آبشار ۱۳۰

۱۹- شوق قدوائی : مولوی احمد علی صاحب

ولادت　　　وطن

(۷) لطفِ سحر ۸

(۳۳) بادل کا پھٹنا ۵۳

(۳۴) برسات کی شام ۵۴

(۴۳) آمدِ بہار ۶۲

(۶۴) جنگل کی رات ۱۱۴

صفحہ

(۷۲) آبشار ۱۳۶

(۷۴) تتلیاں ۱۳۴

(۷۵) چڑیاں ۱۳۷

(۷۹) مور ۱۳۸

۲۰- ظفر علی خاں صاحب

ولادت وطن

(۲۷) بارش ۴۶

(۷۰) طوفانِ عظیم حیدر آباد دکن ۱۳۷

۲۱- عدیل گنتوری : مولوی محمد عسکری صاحب

ولادت وطن

(۲۴) برکھا رت ۴۳

(۵۵) ہندوستان کے پھول ۹۶

۲۲- عزیز لکھنوی : مرزا محمد ہادی صاحب

ولادت وطن لکھنؤ

صفحہ

(۶۱) بہارِ چمن ۱۰۶

(۷۳) فوّارہ ۱۳۱

۲۳۔ غالب : مرزا اسد اللہ خاں مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلّی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی

(۱۲) طلوعِ آفتاب ۱۶

(۲۴) آمدِ بہار ۷۱

۲۴۔ فلک : منشی لال چند صاحب

ولادت وطن

(۹) ترانۂ بیداری ۱۲۰

۲۵۔ کامل : نذیر احمد صاحب

ولادت وطن

(۶۹) دریائے بیاس ۱۲۴

۲۶۔ مائل : لالہ جیتر داس صاحب دہلوی

ولادت وطن

صفحہ

(۴۰) موسمِ خزاں ۶۹

۲۷۔ مُبارکؔ : مرزا مُبارک بیگ صاحب

ولادت   وطن

(۴۵) لطفِ بہار ۷۶

۲۸۔ محرومؔ : منشی تلوک چند صاحب

ولادت   وطن

(۱۰) ترانۂ بیداری ۱۳

(۱۱) بندرابن کی صبح ۱۵

(۶۳) صحرا ۱۱۲

(۷۷) بلبلِ زمزمہ ساز ۱۳۷

(۸۰) مور ۱۴۰

۲۹۔ محسنؔ : مولوی محمد محسن مرحوم

ولادت ۱۲۴۲ھ وطن کاکوری وفات ۱۹۰۵ء مدفن مین پوری

(۳) عبادتِ صبح ۴۰

صفحہ

۳۰- محمد عبدالرشید صاحب بازید پوری

ولادت وطن

(۸۱) کبوتر ۱۴۰

۳۱- مرزا شوق: نواب مرزا شوق مرحوم

ولادت وطن وفات مدفن

(۵۹) باغ بنگلہ ۱۰۴

(۶۰) آرائشِ باغ ۱۰۵

(۶۲) صحرا ۱۱۱

۳۲- مقبول: مولوی محمد عثمان صاحب

ولادت وطن وفات مدفن

(۶۸) گنگا جی ۱۳۲

۳۳- میر: میر تقی مرحوم

ولادت سنہ ۱۱۲۵ھ وطن دہلی وفات سنہ ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنؤ

(۳۷) میر اپنے گھر کا حال ۵۸

۳۴۔ میر حسن: میر غلام حسین مرحوم

ولادت　وطن دلّی　وفات　مدفن لکھنؤ

(۲۲) جنگل کی چاندنی رات　۳۹

(۵۷) باغ　۱۰۰

۳۵۔ واسطی: سید علمدار حسین صاحب

ولادت　وطن　وفات　مدفن

(۳۱) پہاڑی بادل　۴۸

(۳۶) مینڈک کا راگ　۵۶

(۵۵) ہندوستان کے پھول　۹۶

محمد الیاس برنی صاحب مؤلف سلسلہ منتخبات نظم ہذا کی کتابیں

معاشیات

(۱) علم المعیشت ۔ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے جس میں مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرا یہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہے ۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں ۔ ڈاکٹر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اردو زبان پر ایک احسان عظیم ہے ۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل "۔ ضخامت تقریباً ۰۰ ۹ صفحہ خوشنما جلد سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو

شایع ہوئی ہے قیمت .... للعہ

(۲) **معیشت الہند** - ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے ازحد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کیئے گئے ہیں۔ یہ بھی اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اصول و مسائل بیان ہوئے ہیں، اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عملدرآمد دکھایا گیا ہے یہ دونوں کتابیں جامع عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں ضخامت تخمیناً ۰۰ ۴ صفحہ خوشنما جلد۔ منجانب جامع عثمانیہ شایع ہوگی تیار ہورہی ہے۔

(۳) **مالیات** - پبلک فنانس پر اردو زبان میں یہ بھی سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہے مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرایع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قائم ہے سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیونکر عملدرآمد ہوتا ہے یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کیئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ ازحد ضروری ہے ضخامت تخمیناً ۰۰ ۵ صفحہ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمۃ المعاشیات** ۔ مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹرڈوکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics.) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامع عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد۔ منجانب جامع عثمانیہ شایع ہو گی۔

(۵) **ہندوستانی معاشیات** ۔ مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شایع ہوگی

(۶) **برطانوی حکومت ہند** ۔ انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۲۵۰ صفحہ مجلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شایع ہو گی۔

سلسلۂ منتخبات نظم اردو

اس سلسلہ سے اردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہی عجیب و غریب انتخاب ہی گویا شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بو سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہی ملک میں یہ سلسلہ جسقدر پھیلے کم ہی ہر جلد کی ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحہ ہی۔

(۱) **معارف ملت**۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ جلد اوّل مجلد قیمت عہ ۸/

(۲) **معارف ملت**۔ " " " (زیر ترتیب) جلد دوم مجلد قیمت عہ ۸/

(۳) **جذبات فطرت**۔ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اسنے کہا۔ مینے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دلمیں ہی " عہ ۸/

(۴) **جذبات فطرت**۔ " " " (زیر ترتیب) " جلد دوم مجلد قیمت عہ ۸/

(۵) **مناظر قدرت**۔ اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقع جلد اول " عہ ۸/

(۶) **مناظر قدرت**۔ " " " " (زیر ترتیب) جلد دوم مجلد قیمت عہ ۸/

کتابوں کے ملنے کا پتہ

علم المعیشت } انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد دکن

مقدمۃ المعاشیات۔ ہندوستانی معاشیات } جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
برطانوی حکومت ہند

سلسلۂ منتخبات نظم اردو کی تمام جلدیں } محمد مقتدی خاں شروانی۔ علی گڈھ
یا محمد الیاس برنی۔ حیدرآباد دکن

اعلان

الحمدللہ کہ منتخبات نظم اردو کی تین جلدوں کا یہ پہلا سٹ چھپکر ہدیہ ناظرین ہی۔ اسی پایہ کا دوسرا سٹ زیر ترتیب ہی جو عنقریب شایع ہوگا۔ اور امید ہی کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہر سٹ میں معارف ملت، جذبات فطرت اور مناظر قدرت کی ایک ایک نئی جلد شامل ہی۔ انمیں سے کسی ایک یا دو جلد کے مقابل پورے سٹ کی فرمایش کو بلحاظ تعمیل ترجیح حاصل ہوگی قیمت فی جلد عہ۸ر اور فی سٹ للعہ۸ر مقرر ہی لیکن کم از کم ۲۵ سٹ کے خریدار کو فی سٹ ۸ر کمیشن ملیگا۔

ملنے کا پتہ

مؤلف

یا

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

علی گڈھ